اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	سودی لین دین کے خلاف اعلانِ جنگ		۵
نظر وفکر	شب خیزی اور تہجد گذاری	محمد سلمان منصور پوری	۶
اَحوال وکوائف	ٹرکی کا مردِ آہن؛ رجب طیب اَردگان	مرتب	۱۱
درسِ حدیث	صحت وتندرستی کو غنیمت جانئے!	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۴
مقالات ومضامین	حج کے فضائل اور ۵؍ ایام	مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی	۱۸
	ماہِ ذی الحجہ کے اَحکام واَعمال	مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۲۲
	علم حدیث	مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب	۲۷
	سنت پر عمل دنیا وآخرت میں......	مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی	۳۱
	کرکٹ؛ اِسلامی نقطۂ نظر سے	مولانا مرغوب الرحمٰن سہارنپوری	۳۴
	سماج کو نشے کی لعنت سے بچانے......	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی	۴۲
	مزاح ومذاق؛ اُسوۂ رسول اور......	مولانا مفتی تنظیم عالم قاسمی	۴۶
	اِسلام میں انسانی حقوق قرآن......	مولانا ظفر دارک قاسمی	۵۲
کتاب المسائل	کفارۂ ظہار کے مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۰
منظومات	یہ سفر قبول کرلے	مولانا عطاء الرحمٰن عطاؔ مفتاحی	۶۶
جامعہ کے شب وروز	نئے تعلیمی سال کا آغاز،..........وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

سودی لین دین کے خلاف اعلانِ جنگ

اِرشادِ ربانی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. (البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور جو سود باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو، اگر تم کو (اللہ کے فرمان کا) یقین ہے۔ پس اگر نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اور اگر توبہ کرلو تو تمہارے واسطے صرف تمہارا اَصل مال ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم مظلوم ہو‘‘۔

اِسلام کی آمد سے قبل عرب میں سودی لین دین عام تھا، جس وقت قرآنِ کریم میں سود کی حرمت کا اعلان کیا گیا، تو بہت سے لوگوں نے دوسروں کو سودی قرض دے رکھا تھا، اور اُن کا سود اُن پر چڑھ چکا تھا، تو اَب اِس مکروہ سلسلہ کو روکنے کی تدبیر اِس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ سابقہ تمام معاملات کو کالعدم قرار دیا جائے، اور توبہ کے بعد قرض دینے والے کو صرف اُس کی اصل رقم واپس لینے کا حق دار قرار دیا جائے، اِس کے بغیر اِس سلسلہ کو ختم کرنے کی کوئی شکل نہ تھی۔ اِسی لئے سرور عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ’’أَلاَ إِنَّ کُلَّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ ...... وَرِبَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُهُ مِنْ رِبَانَا رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؛ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ کُلُّهُ‘‘۔ (مسلم شریف ۱/۳۹۷) (خبردار! جاہلیت کی ہر رسم آج میرے قدموں تلے روندی جارہی ہے، ...... زمانہ جاہلیت کے سب سود کالعدم ہیں، اور میں سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کی معافی کا اعلان کرتا ہوں، وہ سب معاف ہیں)

اِس اعلان میں نبی اکرم ﷺ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے سب سے پہلے اپنے چچا جان سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سود کی معافی کا ذکر فرمایا، جو زمانۂ جاہلیت میں مکہ معظّمہ میں بڑے ساہوکار سمجھے جاتے تھے۔ اِس اعلان کا فائدہ یہ ہوا کہ دیگر لوگوں کا سود بدرجہ اولیٰ موضوع قرار دے دیا گیا۔

مذکورہ آیات میں سود خوروں کے خلاف اللہ اور اُس کے رسول سے اعلانِ جنگ کی جو وعید سنائی گئی ہے وہ بہت عظیم اور رونگٹے کھڑے کردینے والی ہے؛ اِس لئے کہ اللہ سے مقابلہ کی کوئی تاب نہیں رکھتا، اور ایسی سخت وعید قرآنِ پاک میں کسی اور گناہ کے بارے میں وارد نہیں ہے، جس سے اُس کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں متعدد احادیثِ شریفہ میں سود کی سخت مذمت وارد ہے، جس کی تفصیل کتبِ احادیث کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

□□□

نظر و فکر

رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی صفات (۴)

محمد سلمان منصور پوری
Mansoorpuri
@gmail.com

شب خیزی اور تہجد گذاری

اللہ کے مقبول بندوں کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو اُٹھ کر عبادات میں مشغول رہتے ہیں، اور اپنے رب کے دربار میں تضرع وزاری اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ [الفرقان: ٦٤] (اور وہ لوگ جو راتوں میں اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کی حالت میں رہتے ہیں) اِس کے علاوہ بھی قرآنِ کریم میں متعدد جگہوں پر راتوں میں عبادت کرنے والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

چناں چہ سورۂ آل عمران میں اِرشادِ خداوندی ہے:

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ. (ال عمران: ١٧)

وہ صبر کرنے والے ہیں، سچے ہیں، حکم بجالانے والے ہیں، خرچ کرنے والے ہیں اور رات کے آخری حصہ میں اپنے گناہ بخشوانے والے ہیں۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (بنی اسرائیل: ٧٩)

اور کچھ رات میں جاگتے رہیے قرآن کے ساتھ، یہ آپ کے لئے مزید حکم ہے، قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمادے۔

اِس آیت سے بطور دلالۃ النص یہ بات معلوم ہوئی کہ روحانی درجات کی ترقی میں تہجد کی نماز کا بڑا دخل ہے، اِسی لئے تہجد کا حکم دینے کے فوراً بعد ''مقامِ محمود'' کا ذکر کیا گیا، جو آخرت میں سب سے اونچا مقام ہے۔

اور سورۂ الم سجدہ میں بہت شاندار انداز میں تہجد گذاروں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا

اُن کے پہلو اُن کے سونے کی جگہوں سے جدا رہتے ہیں، اور وہ اپنے رب سے ڈر اور اُمید کے ساتھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (الم سجدة: ١٦-١٧)

فریاد کرتے ہیں، اور ہمارے دئے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، سوکسی نفس کو اُس بات کا علم نہیں ہے جو اُن کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک (والی نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں، یہ اُن کے اعمال کا بدلہ ہے۔

اور سورۂ زمر میں ارشاد ہے:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۤءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ. (الزمر: ٩)

بھلا وہ شخص جو بندگی میں لگا ہوا ہے، رات کے اَوقات میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا، وہ آخرت کے عذاب سے خطرہ رکھتا ہے، اور اپنے رب کی مہربانی کی اُمید رکھتا ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ’’یعنی جو بندہ رات کی نینداور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا، کبھی اُس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا، کبھی سجدے میں گرا، ایک طرف آخرت کا خوف اُس کے دل کو بے قرار کئے ہوئے ہے، اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بنا رکھی ہے، کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا، مگر اِس بات کو بھی وہ ہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے‘‘۔ (فوائد عثمانی ۹۹۲ مکتبۃ البشریٰ کراچی)

اور سورۂ ذاریات میں اہل ایمان کی صفات کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الذريت: ١٧-١٨)

اور وہ رات میں بہت کم سوتے ہیں۔ اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے ہیں۔

یعنی باوجود کثرتِ عبادت کے اُن کی اِنابت الی اللہ اور تواضع وعاجزی میں کوئی کمی نہیں آتی، اور وہ برابر اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی کے طلب گار رہتے ہیں۔

اور سورۂ مزمل میں ارشاد فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ. قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا.

اے کپڑا لپیٹنے والے۔ رات میں کھڑے رہئے مگر کچھ

نِصْفَهُ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً. اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً. اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً. اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِيْلاً.

(المزمل: ۱-٦)

حصہ۔ آدھی رات یا اُس میں سے تھوڑا سا کم کردیں یا اُس پر زیادہ کردیں۔ اور قرآنِ پاک کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرمائیے۔ ہم آپ کے اوپر ایک بھاری بات القاء کرنے والے ہیں۔ یقیناً رات کا اُٹھنا (نفس کو) سخت روندنا ہے اور اُس وقت سیدھی بات نکلتی ہے۔

اِن آیات کا مقصود یہ ہے کہ رات کی عبادات میں یکسوئی اور خشوع وخضوع کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ماحول میں معنی کے استحضار کے ساتھ قرآنِ پاک کی باتجوید تلاوت اِیمانی کیفیات میں بے مثال اِضافہ کا سبب بنتی ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''یعنی رات کو اُٹھنا کچھ آسان کام نہیں، بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے، جس سے نفس روندا جاتا ہے، اور نیند، آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں، نیز اُس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے، زبان اور دل موافق ہوتے ہیں، جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے؛ کیوں کہ ہر قسم کے شور وغل اور چیخ وپکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون وقرار اور لذت واشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے''۔ (ترجمہ شیخ الہند ۱۲۲۱ مکتبۃ البشریٰ کراچی)

مذکورہ آیات کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تہجد کی فرضیت پر محمول کیا، اِسی لئے صحابہ کا پورا معاشرہ حسبِ استطاعت رات میں تہجد کا پابند ہوگیا، اور ایک سال تک یہی پابندی رہی۔ اُس کے بعد سورۂ مزمل کی آخری آیت: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ الخ﴾ میں اِس حکم میں تخفیف کردی گئی، اور تہجد کی فرضیت منسوخ کرکے بطورِ استحباب اِس بات کی ترغیب دی گئی کہ کچھ نہ کچھ رات میں عبادت ضرور کرلیا کرو۔

تاہم تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تازندگی تہجد کا اہتمام فرماتے رہے، اور آپ عموماً تہجد کی نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا؛ لیکن آپ کے ذوق وشوق میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی۔ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پائے مبارک پر ورم کو دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت کیوں اُٹھاتے ہیں؟ آپ کے لئے تو اگلی پچھلی سب باتوں کی مغفرت کا فیصلہ

ہو چکا ہے''؟ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا (جو بلا شبہ آپ ہی کی شان کے لائق تھا): ''أَفَلاَ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا'' (صحيح البخاري رقم: ۱۱۳۰) (یعنی کیا میں اپنے رب کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟)

سبحان اللہ! کیا عجیب اظہار بندگی ہے؟ اِس جملہ کی چاشنی وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنہیں معرفتِ الٰہی اور عشق خداوندی کا کوئی ذرہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ اُمت کے ہر فرد کو اپنی شکر گذاری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اَحادیثِ شریفہ میں تہجد کی ترغیبات

علاوہ ازیں متعدد اَحادیثِ شریفہ میں تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیبات وارد ہیں۔ چند اَحادیثِ شریفہ ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

(۱) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلاَةُ اللَّيْلِ. (رواه مسلم رقم: ۱۱۶۳، الترغيب والترهيب مكمل ص: ۱٤٦)

رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔ اور فرض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔

(۲) سیدتنا حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ، فَيَقُوْلُ: أَيْنَ الَّذِيْنَ كَانُوْا ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، ثُمَّ يُؤْمَرُ بِسَائِرِ النَّاسِ إِلَى الْحِسَابِ. (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ۳۲٤٤، الترغيب والترهيب مكمل ص: ۱٤٧)

قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کیا جائے گا، پس ایک آواز لگانے والا آواز لگاتے ہوئے کہے گا: وہ لوگ کہاں ہے جن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے جدا رہتے تھے؟ پس ایسے لوگ کھڑے ہوجائیں گے، اور اُن کی تعداد نسبۃً کم ہوگی، پھر وہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل کردیے جائیں گے، اُس کے بعد دیگر سب لوگوں کو حساب دینے کا حکم کیا جائے گا۔

(۳) سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ؛ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ، وَمَقْرَبَةٌ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ، وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ، وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الْجَسَدِ. (رواه الترمذي والطبراني في الكبير، الترغيب والترهيب مكمل ص: ١٤٧)

تم رات کی عبادت لازم پکڑو؛ کیوں کہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی عادت رہی ہے، اور تم کو تمہارے رب سے قریب کرنے کا ذریعہ اور سیئات کے کفارہ کا سبب ہے، اور گناہوں سے روکنے پر آمادہ کرنے والی عادت ہے، اور جسم سے بیماری ہٹانے کا ذریعہ ہے۔

(۴) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جنت میں کچھ ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور باہری حصہ اندر سے نظر آتا ہے (یعنی سب شیش محل ہیں)، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! اِس بالا خانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَبَاتَ لِلّٰهِ قَائِمًا وَالنَّاسُ نِيَامٌ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل، تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٢٦٣ دار السلام رياض)

یہ بالا خانے اُن لوگوں کے لئے ہیں جو نرم گفتگو کریں، لوگوں کو کھانا کھلائیں، اور اللہ کی رضا کے لئے راتوں میں عبادت کریں، جب کہ لوگ نیند میں ہوں۔

(۵) صحابیٔ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے، تو آپ کی زیارت کے لئے لوگوں کی بھیڑ اُمڈ پڑی، تو میں بھی اُنہیں لوگوں میں شامل تھا، پس جب میری نظر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرنور چہرے پر پڑی، تو میں نے یقین کرلیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، تو اُس وقت میرے کانوں میں آپ کی سب سے پہلی بات جو پڑی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ! اَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَأَفْشُوْا السَّلَامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٢٦٣ دار السلام رياض)

اے لوگو! کھانا کھلایا کرو، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو، سلام کو عام کرو، اور راتوں میں اُٹھ کر جب کہ لوگ نیند میں ہوں نماز پڑھا کرو، تو تم بسہولت جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

❍❖❍ (جاری)

اَحوال وکوائف (مرتب)

ٹرکی کا مردِ آہن؛ رجب طیب اَردگان

رمضان المبارک کے اخیر میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک مؤقر اُستاذ سے ملاقات ہوئی، جو اُسی وقت ٹرکی کے سفر سے واپس آئے تھے، اُنہوں نے بہت تفصیل سے ٹرکی کی حالیہ ترقیات اور حکومتی استحکام وغیرہ اُمور پر گفتگو کی۔ بالخصوص ٹرکی کی موجودہ اِسلام پسند قیادت اور اُس کے صدر جناب رجب طیب اَردگان (حفظہ اللہ) کے بارے میں بہت اُمیدوں کا اظہار کیا۔ اِس سے پہلے بھی متعدد حضرات کے بیانات اور اخبارات ورسائل میں چھپنے والے مضامین سے یہ بات واضح ہوچکی تھی کہ وہ ٹرکی جو خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد ''مصطفیٰ کمال اتاترک'' کے الحاد ودہریت والے نظریات کے رنگ میں رنگین کردیا گیا تھا، اور پوری ٹرکی قوم سے اسلامی افکار کو کھرچ دینے کی سازش رچی گئی تھی، وہ ٹرکی اب اللہ کے فضل وکرم سے عدل وانصاف اور اسلام کی راہ پر گامزن ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس مقصد کی تکمیل کے لئے جس راہنما کو منتخب فرمایا ہے، اُس کا نام ''رجب طیب اَردگان'' ہے۔

اَردگان صاحب نے ۱۵؍سال پہلے ۲۰۰۲ء میں جب زمامِ اقتدار سنبھالی، تو اُن کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ وہ ترقی یافتہ ٹرکی فوج تھی، جس کی مکمل تربیت امریکہ اور اسرائیل نے کی تھی؛ لیکن اَردگان صاحب نے اُس سے محاذ آرائی کا راستہ اختیار نہیں کیا؛ بلکہ حکمت وتدبر کے ساتھ ملکی معیشت کو مستحکم کرنے اور عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے پر اپنی توجہ مبذول کی، اور اِسی دوران جیسے جیسے موقع ملتا گیا فوج کے اعلیٰ عہدوں پر ایسے افراد نامزد کئے، جو ملک اور قوم کے ساتھ ساتھ دین کے وفادار تھے، اور حتی الامکان ہر سطح پر ٹکراؤ سے گریز کیا، اور ایسی بے مثال عوامی خدمات انجام دیں کہ ٹرکی ترقی یافتہ ممالک میں ۱۸ویں نمبر پر آ پہنچا، اور یوروپی ممالک کے ہم پلہ قرار پایا، اور تعلیم کا اتنا فروغ ہوا کہ ۹۸؍فیصد افراد وہاں تعلیم یافتہ بن گئے۔ اور ۸۳؍فیصد تک غربت کا خاتمہ ہوگیا، اِن عظیم اقدامات کی وجہ سے ۷؍کروڑ ٹرکی عوام کی اکثریت اردگان اور اُن کی پارٹی کی دل وجان سے مؤید ہوگئی، اور پے در پے انتخابات میں اردگان اور اُن کی پارٹی کو بھرپور کامیابی ملی۔ اردگان کے زمانہ میں ٹرکی کہاں سے کہاں پہنچا؟ اُس کا اندازہ درج ذیل چند حقائق سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) اردگان کی آمد سے قبل ٹرکی حکومت پر ساڑھے تئیس بلین ڈالر کا غیر ملکی قرض تھا، جو ۲۰۱۲ء تک

نہ صرف یہ کہ مکمل ادا کر دیا گیا؛ بلکہ ٹرکی نے اعلان کیا کہ: ''اَب ''آئی ایم ایف'' (عالمی قرض دینے والا اِدارہ) ہم سے قرض لینا چاہے تو لے لے''۔ گویا ٹرکی معیشت خود اتنی مضبوط ہوگئی کہ اُسے دوسروں کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہ رہی؛ بلکہ وہ اوروں کا سہارا بننے کی پوزیشن میں آگئی، بلاشبہ یہ بڑی تبدیلی ہے۔

(۲) ۱۹۹۶ء میں ٹرکی کی کرنسی (لیرا) کی سطح اتنی گری ہوئی تھی کہ ایک امریکی ڈالر کے مقابلہ میں ۲۲۲/ لیرا ملتے تھے؛ لیکن اَب ۲۰۱۶ء میں ایک ڈالر کے مقابلہ میں صرف ۳/ لیرا ملتے ہیں، لیرا کی قدر و قیمت میں یہ اضافہ ٹرکی کے استحکام اور معاشی ترقی کی واضح علامت ہے، جس سے عالمی سامراج کی راتوں کی نیند اُڑ گئی ہے۔

(۳) اَردگان جب اقتدار میں آئے، اُس وقت ٹرکی کے ریزرو بینک میں صرف ساڑھے چھبیس ارب ڈالر تھے؛ لیکن ۲۰۱۱ء میں یہ مقدار ۹۲/ بلین ڈالر تک پہنچ گئی، جو انتہائی حیرت انگیز ہے۔

(۴) اَردگان نے خاص طور پر تعلیم کے شعبہ میں حکومتی اخراجات میں بے مثال اِضافہ کیا، چناں چہ ۲۰۰۲ء میں تعلیم پر ساڑھے سات بلین لیرا خرچ کئے جاتے تھے، جو اَب تقریباً ۴۰/ بلین لیرا تک پہنچ گئے ہیں، اور اُس وقت ملک میں صرف ۹۸/ یونیورسٹیاں تھیں، جب کہ ۲۰۱۲ء میں اُن کی تعداد ۱۸۶ تک پہنچ گئی۔

(۵) اطمینان بخش علاج کے لئے محکمہ صحت پر اربوں ڈالر خرچ کئے گئے، اور غریب عوام کو مفت علاج کی سہولیات فراہم کی گئیں۔

(۶) اَردگان کے دورِ حکومت میں ملک میں ۲۴/ نئے ایئرپورٹ بنائے گئے، پہلے اُن کی تعداد ۲۶/ تھی، اب ۵۰/ ہو چکی ہے۔

(۷) ۲۰۰۲ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان ۱۳۵۰۰/ کلومیٹر ''ایکس پریس وے'' بنائے گئے، جن سے نقل و حمل میں بڑی سہولت ہوئی۔

(۸) ٹرکی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہائی اسپیڈ ٹرین چلائی گئی، جو ۲۵۰/ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔

(۹) گذشتہ آٹھ سالوں میں ۱۰۷۶/ کلومیٹر کی نئی ریلوے لائنیں بچھائی گئیں۔

(بشکریہ: روزنامہ ''خبریں'' دہلی ۱۹/ جولائی ۲۰۱۶ء)

یہی وہ وجوہات تھیں جن کی بنیاد پر دنیا نے ۱۵/ اور ۱۶/ جولائی ۲۰۱۶ء کی شب میں یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ جب ٹرکی میں فوج کے ایک فسادی دھڑے نے بغاوت کی، اور ٹیلی ویژن سینٹر اور استنبول کے ہوائی اڈے اور پارلیمنٹ وغیرہ کا محاصرہ کرلیا، تو صدر جناب رجب طیب اَردگان کی سوشل میڈیا کے ذریعہ

کی گئی ایک اپیل پر ہزاروں ترک عوام جن میں مرد وعورت، جوان بوڑھے سب شامل تھے، آدھی رات ہی میں استنبول کی سڑکوں پر آنکلے، اور ٹینکوں کے سامنے لیٹ کر اور باغی فوجیوں سے ہتھیار چھین کر نہ صرف یہ کہ بغاوت کو ناکام کیا؛ بلکہ اپنے قائد کے حکم پر جانثاری اور قربانی کی ایسی تاریخ رقم کی جو کبھی بھلائی نہیں جاسکے گی۔

اِس ناکام بغاوت نے اسلام دشمنوں کی اُمیدوں کا خون کردیا، اور وہ لوگ جو ترکی میں دوبارہ اتاترک کا سیاہ دور لوٹنے کا خواب دیکھ رہے تھے، اُن کی صفوں میں ماتم برپا ہوگیا۔ چناں چہ جو لوگ اُس دن ٹیلی ویژن پر نظریں جمائے رہے، اُنہوں نے شہادت دی کہ جب بغاوت کی خبریں آنی شروع ہوئیں، تو مغربی میڈیا کی خوشی قابل دید تھی، باغی فوجیوں کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جارہے تھے، اور یہ پیش گوئی کی جارہی تھی کہ جلد ہی یہ بغاوت پورے ملک کو اپنے لپیٹ میں لے لے گی، اور رجب طیب اردگان تاریخ کا حصہ بن جائیں گے؛ لیکن کچھ ہی گھنٹوں کے بعد جب عوامی سیلاب گھروں سے بلبلوں کے مانند نکلنا شروع ہوا، اور استنبول کی سڑکیں ''نعرۂ تکبیر اللہ اکبر'' کی صداؤں سے گونجنے لگیں، اور نہتے عوام ٹینکوں کا مقابلہ کرنے لگے، اور پھر عوام کے ہاتھوں باغی فوجیوں کی دھر پکڑ اور پٹائی کا آغاز ہوا، تو مغربی میڈیا کی ساری خوشی کافور ہوگئی۔ خبریں سنانے والوں کے حلق خشک ہونے لگے، اُن کی کھلتی ہوئی باچھیں سکڑ گئیں، اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہی حال دمشق میں بھی ہوا، جہاں بغاوت کے آغاز میں ظالم وجابر ''بشارالاسد'' کے حامیوں نے جشن منانا شروع کیا؛ لیکن جیسے جیسے بغاوت کی ناکامی کی خبریں آتی رہیں، سڑکوں پر سناٹا چھاتا رہا، اور ترکی کے مخالفین اپنا منہ پیٹ کر رہ گئے۔ سچ ہے:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ❖ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہم دل کی گہرائیوں سے عالم اسلام کے مقبول قائد جناب رجب طیب اَردگان اور اُن کے ساتھیوں کے لئے نیک خواہشات پیش کرتے ہیں، اور اُن ترکی عوام کو مبارک باد دیتے ہیں، جنھوں نے اپنے عظیم کردار سے اپنی قوم کا سر بلند کیا، بالخصوص اُن شہداء کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں، جنھوں نے اِس بغاوت کو کچلنے میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اللہ تعالیٰ اُن سب کو اپنی رحمت کی آغوش میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

ہماری دعا ہے کہ رجب طیب اردگان جیسے رہنما اِسی طرح عالم اسلام کی قیادت کریں، جیسے اُن کے پیش رو خلافتِ عثمانیہ کے خلفاء کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو ہر طرح کے شرور وفتن اور داخلی اور خارجی انتشار سے محفوظ رکھیں، آمین۔ ❑❑❑

درسِ حدیث:

صحت وتندرستی کو غنیمت جانئے!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ شَقِيقٍ قَالَ : مَرِضَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ فَعُدْنَاهُ فَجَعَلَ يَبْكِي فَعُوتِبَ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَبْكِي لِأَجْلِ الْمَرَضِ لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ : اَلْمَرَضُ كَفَّارَةٌ، وَإِنَّمَا أَبْكِي إِنَّهُ أَصَابَنِي عَلٰى حَالِ فَتْرَةٍ وَلَمْ يُصِبْنِي فِي حَالِ اجْتِهَادٍ لِأَنَّهُ يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْأَجْرِ إِذَا مَرِضَ مَا كَانَ يُكْتَبُ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَّمْرَضَ فَمَنَعَهُ مِنْهُ الْمَرَضُ. (مشکوۃ ۱۳۸/۱)

حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ بیمار ہوئے ہم آپ کی عیادت کو حاضر ہوئے تو آپ رونے لگے جس کی وجہ سے لوگ آپ سے بدگمان ہونے لگے آپ نے فرمایا کہ میں بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیماری کفارہ ہے یعنی گناہوں کو مٹا دیتی ہے میں تو صرف یہ سوچ کر رو رہا ہوں کہ میں کمزوری اور ضعف کے زمانہ میں بیماری میں مبتلا ہوا ہوں جبکہ مجھ سے بہت زیادہ عبادات نہیں ادا کی جاتی تھیں کاش کہ یہ بیماری مجھ کو اس زمانہ میں لگتی جب کہ میں زیادہ سے زیادہ عبادات کیا کرتا تھا کیونکہ جب کوئی بندہ بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے معمول کے مطابق دن ورات کی عبادات کو انجام نہیں دے پاتا تو من جانب اللہ اس کے نامۂ اعمال میں ان عبادات کا اجر وثواب برابر لکھا جاتا رہتا ہے جن کو وہ بیماری سے پہلے ادا کیا کرتا تھا۔

تشریح : درج بالا روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ امت کے سامنے اپنا درددل پیش کر رہے ہیں تا کہ وہ بھی اپنے قلوب میں وہ جذبات اور اپنے اعمال میں وہ خوبیاں پیدا کرلیں جو ایک سچے مسلمان کی حقیقی نشانی اور علامت ہیں —— ایک مشہور تابعی حضرت شقیقؒ جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض الوفات کا قصہ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ دربار رسالت سے فیض یاب ہونے والے آپ کے سچے جاں نثار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جب بیمار ہوئے تو ہم آپ کی مزاج پرسی کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے آپ ہمیں دیکھ کر رونے لگے عیادت کرنے والوں نے آپ کے رونے کو بے صبری اور کم

ہمتی پر محمول کیا اور یہ سوچ کر بدگماں ہونے لگے کہ علم وعمل کا پیکر، فقہ وحدیث کا ماہر، اور دربار رسالت سے ایمان ویقین کے لعل وگوہر چن کر اپنے سینے کو منور کرنے والی عظیم الشان شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود بیماری پر صبر کرنے اور منجانب اللہ آنے والی پریشانی کو برضاورغبت قبول کرنے کے بجائے بےصبری اور بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے رونے لگنا یہ آپ کو زیب نہیں دیتا —— عیادت کے لیے آنے والے ابھی انہی خیالات میں غلطاں تھے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے انکی کیفیت کو بھانپتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اپنی بدگمانی دور کرلو، دلوں کو صاف کرلو میں بیماری کی وجہ سے نہیں رُو رہا ہوں کیونکہ بیماری کے فضائل میرے سامنے ہیں مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنے کے بدلہ میں ملنے والے اجروثواب سے بھی میں بخوبی واقف ہوں میں نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بیماریاں کفارہ ہوتی ہیں ان پر صبر کرنے کی وجہ سے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے اس لیے میرا رونا بیماری اور مرض کی وجہ سے نہیں ہے مجھے تو ایک دوسری فکر کھائے جارہی ہے کوئی اور ہی غم ہے جو آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے رواں دواں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو آخر کیا غم ہے؟

صحابیٔ رسول کے غم کو درحقیقت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں موت کی فکر کرتے ہیں اور اپنے نامۂ اعمال میں اجروثواب کے خزانوں کو زیادہ سے زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو بیماری کا غم نہیں ہے، آپ کو موت کا خوف نہیں ہے، آپ کو اہل وعیال اور رشتہ داروں کے چھوٹ جانے کی فکر نہیں ہے، نہ ہی اسباب دنیا اور مال ودولت سے دور ہوجانے کی کوئی پرواہ ہے۔ آپ کو تو ایک عجیب وغریب سوچ نے کرب واذیت میں مبتلا کررکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کاش مجھ کو یہ بیماری جوانی، طاقت اور قوت کے زمانہ میں گھیرتی، کاش میں اس دور میں بیمار پڑتا جب میرے جسم میں طاقت تھی، کیوں؟ کیا اس لیے کہ جوانی اور طاقت کی وجہ سے بیماری کا کوئی خاص اثر نہ ہوتا یا اس لیے کہ بیماری کی شدت کو اس وقت برداشت کرنا آسان ہوتا۔ نہیں نہیں، یہ باتیں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ذہن وخیال میں بھی نہیں ہیں بلکہ آپ اپنی جوانی اور قوت کے دور کو اس لیے یاد کررہے ہیں کہ اس میں بے حدوحساب عبادت وریاضت کیا کرتے تھے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک زندگی کے اکثر لمحات ذکر واذکار، نماز وتلاوت اور یاد خدا میں گذارا کرتے تھے، کاش اس وقت بیماری مجھ پر حملہ آور ہوتی اور میں بستر

پر پڑ جاتا تو معمول کی عبادات کا اجر وثواب بغیر ادا کیے ہی میرے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا لیکن افسوس صد افسوس مجھ کو بیماریوں نے عمر کے اس حصہ میں اپنی گرفت میں جکڑا جب کہ میں بڑھاپے اور نقاہت کی وجہ سے بہت زیادہ عبادت انجام نہیں دے پا رہا تھا چنانچہ بیماریوں میں گھرنے کے بعد میرے نامۂ اعمال میں بھی بہت زیادہ اجر وثواب نہیں درج کیے جا رہے ہوں گے بس یہی غم ہے جو آپ کو تڑپا رہا تھا جس کی شدت سے آنکھیں اشک بار ہو رہی تھیں۔

فرصت اور صحت کی قدر کیجئے

قابل اتباع ہیں یہ مقدس ہستیاں جن کی پاکیزگی تقویٰ اور طہارت کا اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب میں ذکر فرما کر قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے نمونہ بنا دیا چنانچہ اصحابِ رسول ﷺ کی فضیلت کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا. (الفتح: ٢٦)

ہم نے ان (صحابۂ کرام) کو تقویٰ وطہارت پر جما دیا وہ اس کے اہل بھی تھے اور حقدار بھی۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ بھی انہی خاصان خدا میں سے ہیں جن کی زندگی اور زندگی کے تمام تر پہلو ایک حقیقی مسلمان کے لیے انمول موتی کی حیثیت رکھتے ہیں ــــ درج بالا روایت میں آپ کا عیادت کے لیے آنے والے حضرات کے سامنے رونا امت کو اس طرف متوجہ کرنے کے لیے تھا کہ اے لوگو! وقت کی قدر کرو فرصت اور تندرستی کے زمانہ کو لہو ولعب اور سیر وتفریح میں مت گذارو یاد رکھو! گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ اگر اللہ نے تم کو فراغت عطا فرمائی ہے ملازمت، کاروبار اور معاش کی الجھنوں سے بچا رکھا ہے، گھر بیٹھے عزت کے ساتھ بغیر کسی دشواری کے تھوڑی سی جدوجہد کے عوض وہ تم کو خوب نعمتوں سے نواز رہا ہے تو ان فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو، ہم عمروں میں بیٹھ کر مجلس آرائی کرنے، بے مقصد باتیں کرنے گھومنے پھرنے اور دیگر بے جا حرکتیں کرنے کے بجائے زیادہ سے زیادہ وقت نوافل، ذکر واذکار، تلاوت کلام پاک اور یاد خدا میں گذارنا چاہئے، آج جو کچھ کرلو گے کل اس کا پھل پاؤ گے۔ یہ فرصت کے لمحات ہمیشہ باقی نہیں رہتے کب الجھنیں آ گھیریں اور چین وسکون چھن جائے کچھ پتہ نہیں اس لیے ان لمحات کی قدر دانی کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ موت کی تیاری کی فکر کی جائے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن

مسعودؓ صحت اور تندرستی سے متصف لوگوں کو بھی ترغیب دیتے ہیں کہ اپنی صحت اور طاقت کے دور کو بے کار ضائع مت کرو ابھی ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں یہ سہولت اٹھنا بیٹھنا ممکن ہے اس کی قدر کرو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت میں وقت گذارو ورنہ تو عنقریب زندگی کا وہ حصہ تم کو آ پکڑے گا جس میں چاہنے کے باوجود بھی اللہ کی عبادت نہ کر سکو گے۔

حقیقت حال

یہ ایک کھلی سچائی ہے کہ آج کے اس دور میں فرصت اور تندرستی کی جتنی ناقدری کی جا رہی ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ کی گئی ہو جوانی اور تندرستی جس کے پاس ہے وہ پوری طرح بغاوت اور سرکشی میں مبتلا ہے گناہوں کی دلدل میں وہ گلے تک دھنسا ہوا ہے اس کے ذہن میں کبھی یہ خیال بھی پیدا نہیں ہوتا کہ جس نے تندرستی اور جوانی کی یہ نعمت دی ہے وہ اس کو چھیننے کی بھی طاقت رکھتا ہے اسی طرح فرصت کے لمحات میں وقت گذاری کے لیے جدید طور و طریقے اپنانا ایک فیشن بن گیا ہے چنانچہ بے حیائی، بے کاری اور ایسے بے مقصد کاموں کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے کہ جن میں مصروف ہونے کی وجہ سے نامۂ اعمال کی سیاہی بڑھتی جا رہی ہے اچھی عمر کے پڑھے لکھے بظاہر سمجھ دار لوگ اپنے فارغ اوقات کی ناقدری کرتے بلکہ ان کو سرعام ناجائز کاموں میں صرف کرتے دکھائی دیتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ایک ارشاد میں امت کو تندرستی اور فرصت کی قدردانی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ صحت اور فارغ البالی یہ دو ایسی نعمتیں ہیں جن سے بہت سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ان میں آخرت کی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے بجائے ان کو گنواں بیٹھتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ. (رواه البخاري، مشكوة ٤٣٩)

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سلسلہ میں بہت سے لوگ دھوکہ میں مبتلا ہیں (۱) صحت و تندرستی (۲) فارغ البالی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نیک اور صالح بندوں کی روش کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور تندرستی نیز فرصت اور فارغ البالی کی قدردانی نصیب فرمائے۔ آمین۔

حج کے فضائل اور ۵/ ایام

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حج اسلام کا اہم ترین فریضہ اور عشقیہ عبادت ہے، اس میں لاپرواہی کرنے والوں پر بہت سی وعیدیں آئی ہیں، اور اس کا اہتمام کرنے والوں کے لئے بے شمار اجر وثواب کا وعدہ ہے۔ امام طبرانی علیہ الرحمہ نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث شریف نقل فرمائی کہ: ’’جو شخص مکۃ المکرّمہ سے عرفات تک سواری پر چل کر حج کرے گا اس کو سواری کے ہر قدم پر ستر ستر نیکیاں ملتی ہیں، اور جو شخص مکۃ المکرّمہ سے عرفات تک پیدل چل کر حج کرے گا اس کو ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملتی ہیں‘‘۔ (المعجم الکبیر ۱۲/ ۵۹ حدیث: ۱۲۵۲۲)

اور امام حاکم شہید نے مستدرک حاکم میں اور امام ابوبکر بیہقیؒ نے شعب الایمان میں سند صحیح کے ساتھ ایک حدیث شریف نقل فرمائی کہ: ’’جو شخص مکۃ المکرّمہ سے عرفات تک پیدل چل کر حج کرے گا اس کو ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملتی ہیں، اور حرم مقدس کی ہر نیکی کے بدلہ میں ایک لاکھ نیکیاں ملتی ہیں، اور ایک لاکھ کو سات سو میں ضرب دیا جائے تو سات کروڑ ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا مکۃ المکرّمہ سے عرفات تک پیدل چل کر حج کرنے سے ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں ملتی جائیں گی‘‘۔ (مستدرک جدید ۲/ ۶۴۸، شعب الایمان ۳/ ۴۳۱ حدیث: ۳۹۸۱)

یہ حق تعالیٰ کے بے شمار انعامات واحسانات ہیں کہ ایک عبادت کے عوض میں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں عبادتوں کی نیکیاں عطاء فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر میت کی طرف سے حج بدل کیا جائے تو ایک حج کی وجہ سے تین آدمی جنتی بن جاتے ہیں:

(۱) وہ میت جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے (۲) حج بدل کرنے والا (۳) وہ وارث وغیرہ جو حج بدل کا پیسہ خرچ کرتا ہے۔ (فضائل حج ۳۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک حاجی کو اپنے خاندان کے چار سو افراد کے لئے شفاعت کا اختیار دیا جائے گا، اور حدیث کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سو گھرانے کے لئے شفاعت کا اختیار دیا جائے گا، اور گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر نکل

جاتا ہے جیسا کہ نومولود بچہ پیدائش کے دن ہر گناہ سے پاک وصاف ہوکر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد ۲۱۱/۳، الترغیب والترہیب ۱۰۶/۳)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حاجی اپنے گھر سے نکلے اور اس پر تین دن گذر جائیں تو وہ نومولود بچہ کی طرح گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے، اس کے بعد سفرحج میں بقیہ جو ایام گذریں گے ان میں درجات بلند ہوجائیں گے۔ (شعب الایمان ۴۷۸/۳ حدیث: ۴۱۱۴، المسالک فی المناسک للکرمانی ۲۳۹/۱)

اور بخاری شریف میں ایک روایت مروی ہے کہ: ''جو شخص اس طرح حج کرتا ہے کہ حج کے دوران اس نے اپنے آپ کو لڑائی جھگڑے اور فسق وفجور اور بدکلامی اور بدمزاجی سے دور رکھا ہو تو حج کر کے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوکر لوٹے گا جیسا کہ نومولود بچہ ماں کے پیٹ سے پیدائش کے وقت ہر گناہ سے پاک ہوتا ہے''۔ (بخاری شریف ۲۰۶/۱ حدیث: ۱۴۹۹)

حضراتِ صحابہ کرام اور تابعین اپنی غربت وعسرت اور تمام مشغولیات کے باوجود کثرت سے حج اور عمرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچپن مرتبہ حج فرمایا؛ لہٰذا جن بھائیوں کو اللہ پاک نے صحت وفراخی عطا فرمائی ہے وہ حج فرض پر اکتفاء نہ کریں؛ بلکہ موقع بموقع حج کرنے کی کوشش کریں، اور کم از کم ہر چار پانچ سال میں ایک دفعہ تو کر ہی لیا کریں، اور بار بار حج کرنا اگرچہ فرض یا واجب نہیں؛ لیکن بے مثال اجر وثواب کا باعث ہے، نیز بار بار حج کرنے سے تنگ دستی اور فقر ومحتاجی سے حفاظت ہوتی ہے۔ (شعب الایمان ۴۸۳/۳ حدیث: ۴۱۳۴)

ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''جس شخص کو میں نے صحت اور فراخی عطا کی پھر اس نے ہر پانچ سال میں میرے پاس حاضری نہیں دی تو وہ رحمت سے محروم ہے''۔

(صحیح ابن حبان ۲۰۴/۴ حدیث: ۳۷۰۵، شعب الایمان ۴۸۲/۳ حدیث: ۴۱۳۲، مسند ابی یعلی ۴۴۴/۲ حدیث: ۱۰۲۲۷)

اور ایک حدیث میں ہر چار سال کا ذکر بھی آیا ہے، اے اللہ ہم کو قبول فرما اور بار بار اپنی بارگاہ کی حاضری اور اپنے پاک اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار زیارت نصیب فرما، آمین۔

حج کے پانچ دن ایک نظر میں

حج کا پہلا دن:- آٹھ ذی الحجہ حج کا پہلا دن ہے، اس دن کا کام یہ ہے کہ مکۃ المکرّمہ سے فجر کی

نماز کے بعد منیٰ کے لئے روانہ ہوجائیں، اور منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں ذی الحج کی فجر کی نماز ادا کریں۔

مگر آج کل معلم کے لوگ حاجیوں کو ساتویں اور آٹھویں کی درمیانی شب میں ہی منیٰ لے جاتے ہیں، اور انہیں کے ساتھ منیٰ چلے جانا چاہئے ورنہ پریشانی پیش آسکتی ہے۔

حج کا دوسرا دن: - حج کا دوسرا دن نویں ذی الحجہ ہے، اس دن فجر کی نماز کے بعد جب سورج طلوع ہوجائے تو منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوجائیں، اور عرفات کے معمولات اس طرح ادا کریں جو ہم نے مسائل عرفات کے عنوان کے تحت تفصیل سے بیان کردئے ہیں۔

حج کا تیسرا دن: - حج کا تیسرا دن دسویں ذی الحجہ ہے، اس دن بہت سارے کام کرنے ہیں، اور اس دن مناسک حج میں سے چار واجبات اور ایک فرض کل پانچ امور ادا کرنے ہیں۔

(۱) مزدلفہ میں فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے وقوف کرنا اور سورج طلوع ہونے سے ذرا پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہوجانا۔

(۲) منیٰ میں آکر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا ہے، اور جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت دسویں ذی الحجہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد سے زوال تک افضل ہے، اور زوال کے بعد بلا کراہت جائز ہے، مگر سورج غروب ہونے کے بعد مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے، اور اگر شام تک بھیڑ کا سلسلہ جاری رہے تو غروب کے بعد بھی مکروہ نہیں ہے، گویا کہ دسویں کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا ۲۴؍ گھنٹے جائز ہے۔

(۳) اگر متمتع یا قارن ہے تو رمی کے بعد قربانی بھی کرنا ہے۔

(۴) اگر متمتع یا قارن نہیں ہے، تو جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد سر کے بال اُتارنا ہے، اور اگر قارن یا متمتع ہے تو قربانی کے بعد سر کے بال اُتارنا ہے۔

(۵) حج کا اہم ترین رکن اور فرض طوافِ زیارت ہے، اگر دسویں ذی الحجہ کو وقت میں گنجائش ہو تو آج ہی طوافِ زیارت کرنا افضل اور بہتر ہے، اور اگر اس دن گنجائش نہ ہو تو گیارہویں یا بارہویں تاریخ تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، مگر بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے طواف سے فارغ ہوجانا واجب ہے، اور دسویں ذی الحجہ گذرنے کے بعد دسویں ذی الحجہ گذار کر دورات منیٰ میں آکر گذارنا مسنون ہے۔

حج کا چوتھا دن:- حج کا چوتھا دن گیارہویں ذی الحجہ ہے،اس دن کی ذمہ داری صرف ایک ہے، وہ یہ ہے کہ زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کی جائے ، اور زوال سے پہلے اس دن جمرات کی رمی کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ زوال کے بعد سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے کرلینا افضل ہے، اور سورج غروب ہونے کے بعد وقت مکروہ شروع ہوجاتا ہے؛ البتہ اگر بھیڑ کی وجہ سے دن میں رمی نہ کرسکے تو سورج غروب ہونے کے بعد صبح صادق سے پہلے پہلے تک رمی کرنا بلا کراہت جائز ہوجاتا ہے، اور اگر بلا عذر تاخیر کرے گا تو مکروہ ہوجائے گا، مگر کوئی جرمانہ نہیں۔ اور اگر دوسرے دن کی صبح طلوع ہوجانے تک رمی نہیں کی ہے تو پھر دم واجب ہوجائے گا، زوال کے بعد اس کی قضاء کرنا بھی لازم ہوگا، گویا کہ گیارہویں کی رمی کا وقت زوال سے لے کر بارہویں کی صبح صادق تک تقریباً سولہ سترہ گھنٹے ہیں، اور اس دن کی رات منیٰ میں گذارنا مسنون ہے۔

حج کا پانچواں دن:- حج کا پانچواں دن بارہویں ذی الحجہ ہے، اس دن بھی زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی اسی طرح کرنا ہے جس طریقہ سے گیارہویں تاریخ کو کیا تھا؛ لیکن اگر بارہویں کو مکہ مکرمہ کے لئے کوچ کرنے کا ارادہ ہے تو افضل اور بہتر یہی ہے کہ سورج غروب ہونے سے قبل رمی کرکے منیٰ سے نکل جائے ، اور اگر دن میں بھیڑ کی وجہ سے رمی نہ کرسکے تو رات میں بھی رمی کرکے منیٰ سے روانہ ہوجانا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر بھیڑ وغیرہ کی کوئی پریشانی نہ ہو پھر بھی دن میں محض لاپرواہی سے رمی نہیں کی، اور بلا عذر رات تک تاخیر کرکے رمی کی ہے اور پھر رات ہی میں منیٰ سے روانہ ہوجاتا ہے، تو مکروہ ہے، مگر کوئی کفارہ نہیں، اور عذر اور بھیڑ کی وجہ سے تیرہویں کی صبح صادق سے پہلے پہلے رمی کرکے مکہ مکرمہ کے لئے کوچ کرنا بلا کراہت جائز ہے، گویا بارہویں کی رمی کا وقت زوال سے لے کر تیرہویں کی صبح صادق تک تقریباً سولہ سترہ گھنٹے ہیں۔

اور اگر تیرہویں کی صبح صادق ہوجانے تک منیٰ میں قیام رہے تو پھر تیرہویں کی رمی بھی لازم ہوجائے گی ، اور تیرہویں کی رمی بھی راجح قول کے مطابق زوال کے بعد کرنا لازم ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک زوال سے قبل کراہت کے ساتھ جائز ہے، تفصیل رمی کی بحث میں دیکھ لیں۔ اور تیرہویں کے غروب کے بعد رمی کا وقت کلی طور پر ختم ہوجاتا ہے۔ (ماخوذ از: انوار مناسک ۴۰-۴۷)

ماہِ ذی الحجہ کے اَحکام واَعمال

مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، وادی مصطفیٰ، شاہین نگر، حیدرآباد

ذی الحجہ کا مہینہ نہایت ہی متبرک اور فضائل ومناقب کا حامل مہینہ ہے، اس کی اہمیت وخصوصیت کو بتلانے کے لئے یہ بتلادینا کافی ہے کہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے پانچویں اور آخری رکن حج کی ادائیگی بھی اسی ماہِ مقدس میں ہوا کرتی ہے، قربانی جیسا عظیم اور مہتم بالشان عمل بھی اسی مہینے میں انجام دیا جاتا ہے، نہ صرف یہ کہ اسلام کی آمد کے بعد اس مہینہ کو قدر ومنزلت اور احترام وتقدس کی نگاہ سے دیکھا گیا؛ بلکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں میں اس مہینہ کا احترام وتقدس پایا جاتا تھا، وہ اس مہینے کو ''اشہر حرم'' میں شمار کرتے تھے، سالہا سال سے چلی آرہی بھیانک اور خون ریز لڑائیاں بھی اس مہینے کے تقدس واحترام میں موقوف کردی جاتی تھیں، اسلام کی آمد کے بعد بھی اس مہینے کی اس عظمت وحرمت کو باقی رکھا گیا، مزید حج اور قربانی جیسے عظیم الشان اعمال کی اس ماہِ مبارک میں مشروعیت نے اس کی فضیلت واہمیت کو مزید دو چند کردیا، ویسے تو سارا مہینہ ہی خیر وبرکت کا حامل ہے، البتہ اس ماہ کے ابتدائی دس دنوں کو اور بھی زیادہ خصوصیت وفضیلت حاصل ہے، ان دنوں کی اسی اہمیت وجلالتِ شان کی وجہ سے سورۃ الفجر کی ابتدائی آیات میں اللہ عزوجل نے ایام کی قسم کھائی ہے: ''قسم ہے فجر کے وقت کی اور ذی الحجہ کی دس راتوں یعنی دس تاریخوں کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں، اور جفت اور طاق کی (جفت سے مراد دسویں تاریخ ذی الحجہ کی اور طاق سے نویں تاریخ) (بیان القرآن: ۹۶،۹۵/۲)

احادیثِ نبویہ میں عشرہ ذی الحجہ کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں کئے گئے اعمال صالحہ اللہ تعالی کے نزدیک تمام ایام میں کئے گئے نیک اعمال سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ترمذی/العمل فی ایام العشر حدیث: ۷۵۷)

ان ایام کی فضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ایام کی قسم کھائی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے بذاتِ خود ان ایام کی فضیلت کو دنیا کے تمام ایام سے زیادہ بتلایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً ان ایام میں اعمال صالحہ کی کثرت کی تلقین فرمائی ہے، یہ ان ایام کی شرف وفضیلت کی دلیل ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ کے مستحب اعمال

(۱) قربانی کا ارادہ رکھنے والے بال اور ناخن نہ کاٹیں:- ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی سب سے پہلے جو عمل ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے یا ان کا نفلی قربانی کا ارادہ ہے تو وہ لوگ چاند دیکھنے کے بعد سے لے کر اپنی قربانی کرنے تک بال اور ناخن نہ کاٹیں، ایسا کرنا مستحب ہے۔ (شامی ۶۶/۳)

چنانچہ ام المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم/ باب النہی علی من دخل علیہ حدیث: ۱۵۶۳)

(۲) ماہِ ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزوں کی فضیلت:- ماہِ ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزوں کی روایات میں بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اس ماہ کے ان ابتدائی ایام میں حتی المقدور روزوں کا اہتمام کرے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی عبادت تمام دنوں کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اِن ایام میں سے (یعنی ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں میں) ایک دن کا روزہ پورے سال کے روزوں اور رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔ (ترمذی/ العمل فی ایام العشر حدیث: ۷۵۸)

(۳) یوم عرفہ کا روزہ:- ویسے تو ماہِ ذی الحجہ کے تمام ہی ابتدائی ایام اہمیت کے حامل ہیں، جیسا کہ پچھلی روایت سے معلوم ہوا، ان نو دنوں کے روزوں کی بھی اہمیت مذکور ہوئی، لیکن ان نو دنوں میں نویں تاریخ یعنی ''یوم عرفہ'' کے روزہ کا اہتمام ہونا ہی چاہئے، اور یہ نفلی روزہ مقامی حضرات کے لئے ہے، حجاج کیلئے اس دن حج کا عظیم رکن ''وقوف عرفات'' تجویز کیا گیا، اس لئے ان پر یہ روزہ نہیں اس نفلی روزہ کو پچھلے اور اگلے دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا۔ (مسلم/ باب استحباب ثلاثۃ ایام من کل حدیث: ۱۱۶۲)

(۴) تکبیر اور اللہ کے ذکر کا اہتمام:- تکبیر (اللہ اکبر) تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) تحمید (الحمد للہ) اور تلاوت قرآن کا ان دس دنوں میں خوب اہتمام کرے چونکہ ارشاد باری ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ. (سورة الحج: ۲۸) ان متعین دنوں میں اللہ کا نام بکثرت لیا کرو آخری قسط

اورحدیث مبارکہ میں ہے: ''عشرہ ذی الحجہ سے بڑھ کر کوئی دن اللہ کی نگاہوں میں معظم نہیں اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور دن میں اعمال اتنے زیادہ پسند ہیں اس لئے ان دنوں میں تہلیل وتکبیر اور تحمید کی کثرت کیا کرو''۔(مسند احمد: حدیث:۵۴۴۶)

ان ایام میں تکبیر کا جہراً (زور سے) اہتمام کرے، چنانچہ مروی ہے کہ حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ان دس ایام میں بازار تشریف لے جاتے تو جہراً تکبیر کہتے، لوگ بھی ان کو دیکھ کر تکبیر کہتے۔ (بخاری شریف/ باب فضل العمل فی ایام التشریق حدیث:۹۶۹)

(۵) تکبیر تشریق کے احکام:- ذی الحجہ کے ان ایام میں ایک عمل تکبیر تشریق کا بھی ہے، یہ تکبیر ۹/ذی الحجہ کی فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہے، یہ تیئیس نمازیں ہوتی ہیں اور نماز عید کو ملا کر چوبیس نمازیں ہوتی ہیں، اس تکبیر کا پڑھنا واجب ہے، مرد حضرات جماعت کی نماز کی ادائیگی کے بعد ایک مرتبہ فوراً باآواز بلند یہ تکبیر کہیں گے، جب کہ منفرد شخص اور عورتیں اس کو آہستہ پڑھیں گے، تکبیر تشریق پڑھنے کا حکم شہر والوں کے لئے بھی ہے، گاؤں والوں کے لئے بھی، مردوں کے لئے بھی عورتوں کے لئے بھی، جو قربانی دے رہے ان کے لئے بھی جو قربانی نہ دے رہے ہوں ان کے لئے بھی، اگر امام اس تکبیر کو کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیئے کہ باآواز بلند پڑھنا شروع کر دیں، اس سے امام کے لئے یاد دہانی ہو جائے گی، اگر تکبیر کہنا بھول جائیں تو اس کی قضا نہ کی جائے؛ کیوں کی اس کی قضا مشروع نہیں، تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں: " اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر ، لا إله إلا اللّٰه و اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر ، و للّٰه الحمد". (شامی : ۱۸۰/۲)

(۶) شب بیداری:- عشرہ ذی الحجہ کا ایک عمل یہ ہے کہ آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، بقرعید کی رات کو عبادت کے لئے شب بیداری کرے، حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دونوں عیدوں (یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کے یقین کے ساتھ زندہ رکھا تو اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔(سنن ابن ماجۃ/ باب فی من قام فی لیلتی العید حدیث:۱۷۸۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص

نے (ذکر وعبادت کے ذریعہ) پانچ راتیں زندہ رکھیں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، وہ پانچ راتیں یہ ہیں: آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، بقرعید کی رات، عید الفطر کی رات اور پندرہویں شعبان کی رات۔ (الترغیب والترہیب/فضل لیلۃ العیدین والاضحیۃ حدیث:۱۶۵۶)

(۷) عید کا دوگانہ شکرانہ نماز:- عشرہ ذی الحجہ کا ایک عمل عید کے دوگانہ کا ادا کرنا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ہجرت کے بعد) رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے (اہل مدینہ نے) دو دن کھیل کود کے لیے مقرر کر رکھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم ان دنوں میں کھیلا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کے بدلہ میں تمہیں ان دنوں سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں ایک یوم الاضحیٰ اور دوسرا یوم الفطر۔ (سنن ابی داؤد/ باب صلاۃ العید حدیث:۱۱۳۴)

البتہ اس کے احکام عید الفطر سے کچھ مختلف ہیں، عید الاٗضحیٰ کی نماز پڑھنے میں جلدی کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ نماز کے بعد جانوروں کی قربانی کا مسئلہ ہوتا ہے، اور قربانی میں عجلت مطلوب ہے۔ (رد المحتار ۵۳/۳ زکریا دیوبند) حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ میں نماز عید جلدی اور عید الفطر میں نماز عید تاخیر سے ادا فرمائی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی حدیث:۵۹۴۴)

عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ جاتے ہوئے راستہ میں بآواز بلند یہ تکبیر کہتے ہوئے جانا: ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد''۔ (شامی/ باب العیدین ۵۹/۳ زکریا) یہاں عید الاضحیٰ میں کھانا کو موٴخر کرنا بھی مستحب ہے، اگر کسی نے کھالیا تو مکروہ نہیں۔ (شامی/ باب العیدین ۶۰/۳ زکریا)

(۸) قربانی ایک عظیم عبادت:- اللہ عزوجل کے یہاں قربانی کے ایام میں قربانی سے زیادہ محبوب اور بہتر عمل کوئی دوسرا نہیں، یہ قربانی دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جذبۂ فداکاری کی عظیم یادگار ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم نحر (دس ذوالحجہ) کو اللہ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں (یعنی قربانی سے) قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام قبولیت حاصل کر لیتا ہے؛ لہٰذا نہایت خوش دلی کے ساتھ قربانی دیا کرو۔ (ترمذی شریف/ باب فضل الاضحیۃ حدیث:۱۴۹۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے پوچھا: ہمیں اس قربانی پر کیا ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ (ابن ماجۃ/ باب ثواب الاضحیۃ حدیث: ۳۱۲۷)

لہٰذا قربانی ہر مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے، جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہو، یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں، یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان، پلاٹ وغیرہ ہو۔ (شامی/ کتاب الاضحیہ)

قربانی چونکہ ایک مخصوص عبادت ہے، اس لئے شریعت نے اس کیلئے وقت متعین کر رکھا ہے، وہ ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ہیں، نہ ان تینوں دنوں سے پہلے قربانی جائز ہے اور نہ بعد میں؛ البتہ پہلا دن قربانی کے لئے سب سے افضل ہے، پھر دوسرا دن پھر تیسرا دن۔ (درمع الشامی ۹/۴۵۷-۴۵۸ زکریا)

ان ایام میں رات کی قربانی بھی درست ہے؛ لیکن کراہت کے ساتھ (۹/۴۵۸) شہری حضرات نماز عید کے بعد قربانی دیں گے، دیہات والے جن کے یہاں نماز نہیں ہوتی وہ طلوع فجر کے بعد قربانی دے سکتے ہیں۔ (درمختار مع الشامی ۹/۴۶۰ = ۴۶۱ زکریا)

(۹) حج اور عمرہ:- یہ عشرہ ذی الحجہ کے سب عظیم اعمال ہیں، لہٰذا مسلمان کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے؛ تاکہ وہ قبولیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو، اس میں گالی گلوچ، فسق و فجور کی باتیں اور ریاکاری، دکھلاوا جیسے امور بالکل نہ آئیں، حج مقبول اور عمرہ کا ثواب نہایت عظیم بتلایا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کے لئے کفارہ ہوتا ہے جو دو عمروں کے درمیان ہوئے ہوں، اور حج مقبول کی جزا جنت ہے۔ (بخاری شریف/ باب وجوب العمرۃ وفضلہا حدیث: ۱۶۸۳)

یہ عشرہ ذی الحجہ کے فضائل اور اعمال ہیں، ان اعمال کے اہتمام سے ہی ان ایام کے فضائل کا حصول ممکن ہے، یہ ایام اور دن اللہ کے انعامات اور خصوصی نوازش کے مواقع ہوتے ہیں، اس لئے جس قدر ہو سکے حتی المقدور ان اعمال کی انجام دہی کی کوشش کریں اور عشرہ ذی الحجہ کے فضائل و مناقب سے مستفید ہو کر اپنی اخروی زندگی کا سامان کریں۔

علم حدیث

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب رئیس وشیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دین کے دو ماخذ ہیں، ایک قرآن، دوسرا حدیث، جس طرح قرآن وحی ہے اسی طرح حدیث بھی وحی ہے، حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن کو دین کا ماخذ بنانا گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور سب سے آخر میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر اس ہدایت کی تکمیل فرمادی اور اس ہدایت کو دین اسلام سے تعبیر فرمایا۔

لہٰذا آپ کی نبوت اور آپ کا دین آخری دین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطاع بنا کر بھیجا ہے اور ہر پیغمبر کو اس لیے بھیجا جاتا تھا تا کہ امت اس کی اطاعت کرے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (النساء: ٦٤)
ہم نے ہر ایک رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے۔

ہر پیغمبر کو اللہ کی طرف سے پیغام دیا جاتا تھا، اس پیغام کو وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وَسلم پر بھی وحی نازل ہوتی تھی، جس پر آپ خود بھی عمل فرماتے تھے اور اُمت کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

پھر یہ وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے تھے۔ اس وحی کو وحی متلو اور قرآنِ کریم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اس وحی کے معانی تو اللہ کی طرف سے ہوتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وَسلم اُن کی تعبیر اپنے الفاظ میں بیان فرماتے تھے، اس وحی کو وحی غیر متلو اور حدیث یا حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وحی کی یہ دونوں اقسام اُمت کے لیے واجب العمل ہیں اور قرآنِ کریم نے وحی غیر متلو یعنی حدیث سے ثابت ہونے والے حکم کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم شمار کیا ہے۔

ہمارے شیخ ومربی محدثُ العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”یہ حقیقت وَاضح اور مسلم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغاماتِ الٰہیہ جس طرح قرآن کی

صورت میں نازل ہوئے اسی طرح بہت سے پیغاماتِ الٰہیہ قرآن کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازِل ہوئے جن کی تعلیمات اُمت کو دی گئی، قرآنِ کریم کی اصطلاح میں انبیاء کرام کی ان تعلیمات کا نام ''الحکمۃ'' ہے اور قرآنِ کریم نے متعدد مقامات میں اسے ''انزل'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان اشارات سے یہ بات سمجھنی آسان ہوگئی کہ دین کا اصل مدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور دین کا اصل منبع نبوت کی تعلیمات و ہدایات ہیں خواہ قرآنِ کریم میں اُن کا ذکر ہو یا نہ ہو، اسلام کے تشریعی نظام پر غور کرنے کا موقع جن لوگوں کو ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ بہت سے بنیادی اور اہم احکامات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خفی کے اشارے سے اُمت کو دیئے اور مدت کے بعد قرآنِ کریم میں ان احکام کی آیات نازل ہوئیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ احکام کی تصدیق و تائید کی گئی''۔ (بصائر و عبر ۱/۱۲۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ نے چودہ پندرہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی اور ظاہر ہے کہ آپ کا بیت المقدس کی طرف منہ کرنا اللہ کے حکم سے تھا۔ اور جب قرآنِ کریم میں بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو اس نے اس بات کی تصدیق کردی کہ سابق حکم بھی اللہ کی طرف سے تھا، جس کی تصدیق قرآنِ کریم کی اِس آیت سے ہوتی ہے:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (البقرة: ١٤٢)	اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے، آپ کہہ دیجیے اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ پر۔

غزوۂ بنی نضیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی غداری کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے محاصرے کا حکم دیا اور ان کے باغات سے کچھ کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا، تا کہ نقل و حرکت میں آسانی ہو، اس پر یہود نے کہا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں کیا ان درختوں کو کاٹنا فساد نہیں؟ اس پر قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ. (الحشر: ٥)	(اے مسلمانو!) جب کھجور کے درختوں کو تم نے کاٹ ڈالا یا جن کو تم نے اس حالت میں چھوڑ دیا کہ وہ اپنی جڑوں پر کھڑے رہے تو یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا۔

قرآنِ کریم کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ کھجوروں کو کاٹنے کا حکم وحی سے ہوا، اور اسی وحی کا دوسرا نام حدیث اور سنت ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں تعلیم کتاب بھی شامل ہے۔(اور آپ ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں۔)اور ایک دوسری آیت میں اس کو بیان سے تعبیر کیا گیا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ. (النحل: ٤٤)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ احکام خوب کھول کر بیان کریں جوان کیلئے نازل کیے گئے ہیں اور تا کہ وہ لوگ غور وفکر کریں۔

پھر جس طرح اللہ نے اس قرآنِ کریم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یاد کرانے کا وعدہ فرمایا ہے، اسی طرح اس کے علوم اور معارف کے بیان کو بھی اپنے ذمہ لیا ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ. (القیمۃ:١٩)

پھر بے شک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کو کھول کر بتانا۔

چناں چہ جب قرآنِ کریم میں نماز کا حکم نازل ہوا ''نماز قائم کرو'' تو نماز کی تفصیلات قرآنِ کریم میں نازل نہیں ہوئیں کہ نمازیں پانچ ہیں اور ان کی اتنی رکعات ہیں اور اللہ اکبر سے شروع ہو کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور امت کو حکم دیا، تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔ اسی طرح حج جب فرض ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا اور حکم دیا ''مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔'' اسی طرح اسلام کے باقی احکام کا حال ہے۔

لہٰذا قرآنِ کریم کا بیان اور تفسیر اور تشریعی احکام کے بارے میں آپ کے اقوال اور افعال یہ سب حدیث کہلاتے ہیں اور ان کا حکم وحی کا ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی. اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. (النجم:٣-٤)

اور وہ (رسول) اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

اور ان پر عمل کرنا واجب ہے، ارشاد باری ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا. (الحشر: ٧)

رسول جو کچھ آپ کو دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

احادیث کی اس اہمیت کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں اپنے اعمال اور اپنے قلوب میں محفوظ کیا، آپ کے عمل کو دیکھ کر ویسا ہی عمل کیا، اور آپ کے فرمودات کو سن کر سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر لیا۔ ان

حضرات میں سرفہرست عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو آپ کے سامنے اور آپ کی مجلس میں قلم بند کیا ہے اور احادیث کا یہ مجموعہ ''الصادقۃ'' کے نام سے مشہور تھا۔

نیز نبی ﷺ نے احادیث کو سمجھنے، یاد کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دی ہے، آپ کا ارشاد ہے: ''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا ثُمَّ أَدَّاهَا كَمَا سَمِعَ'' اللہ تر و تازہ فرمائے اس شخص کو جو میری بات سنتا ہے اور اسے سمجھتا ہے اور پھر اسے دوسروں تک ویسے ہی پہنچاتا ہے جیسے اس نے اسے سنا۔

اور آپ ﷺ نے اپنی سنت کو بھی قرآن کریم کی طرح سرچشمہ ہدایت قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ. (موطأ الامام مالك / باب النهى عن القول فى القدر، ج:۲، ص:۷۰۲،ط: قديمى)

میں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔

اسی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنِ کریم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہ کی بھی حفاظت کی اور انہیں اپنے شاگردوں تک پہنچایا جو ''تابعین'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے اپنے آپ کو اسی مقصد کے لیے وقف کر دیا جو ''محدثین'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

پھر ان محدثین حضرات نے ان احادیث کو مختلف انداز میں جمع کیا، بعضوں نے فقہی ابواب پر، بعضوں نے فقہی ابواب کے ساتھ عقائد، تفسیر، آداب، تاریخ اور فضائل کی احادیث کو بھی جمع کیا، بعضوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب سے، بعضوں نے اپنے مشائخ کی ترتیب سے احادیث کو جمع کیا اور احادیث کے یہ مجموعے جوامع، سنن، مسانید، معاجم وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہوئے اور بیسیوں کتابیں کئی کئی جلدوں میں وجود میں آئیں پھر ان احادیث کی حفاظت اور صحیح احادیث کی پہچان کے لیے بیسیوں علوم ایجاد ہوئے جن میں ایک اہم علم ''علم الرجال'' کا ہے، جس میں ہر حدیث کے نقل کرنے والے راویوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں اور اس طرح لاکھوں انسانوں کے تراجم جمع ہو گئے ہیں، جو اس اُمت کا اِمتیازی علم ہے۔

اس علم حدیث کی برکت سے آج اُمت اِسلامیہ کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ اس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات، زِندگی اور سیرت کے ہر پہلو تر و تازہ موجود ہیں اور قرآنِ کریم کے ساتھ احادیث بھی اُمت کے لیے شمع ہدایت ہیں اور گمراہی سے حفاظت کی ضامن ہیں۔ ❍❖❍

سنت پر عمل دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی ایم پی وصدر دینی تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکر نگر نئی دہلی

علمی اصطلاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل دونوں پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے، سنت کا لغوی معنی بھی طریقہ ہے اور سیدھے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے یا عمل سے ثابت ہو وہ سنت ہے۔ شریعت میں سنت کی غیر معمولی اہمیت ہے اور مسلمانوں کا یہ امتیاز ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں رہنمائی کی ہے۔ خانگی زندگی سے لے کر معاشرے میں رہنے کے طور طریقوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے، سونے سے لے کر جاگنے تک اور کھانے پینے سے لے کر اٹھنے بیٹھنے تک کا طریقہ بتایا ہے، لوگوں سے کس طرح بات کرنا ہے اور ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا ہے، یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، مختصر یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر اپنی امت کے ہر فرد کی رہبری وراہنمائی فرمائی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی انسان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طور طریقوں کو اپنی عملی زندگی میں برپا کرتا ہے اور اسی طرح اپنی زندگی گزارتا ہے جیسے کہ آپؐ نے ہدایت فرمائی ہے تو یقیناً ایسا انسان کامیاب ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا دراصل اللہ کے احکام کی پابندی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اس نے اللہ کی اطاعت کی“۔ (سورۂ نساء: ۸۰)

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی عمل کرتے ہیں یا جو بھی ہدایت فرماتے ہیں وہ دراصل اللہ کی جانب سے ہی تلقین کیا جاتا ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید وضاحت فرمائی ہے: ”اور رسول تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے اس سے رُک جاؤ“۔ (سورۂ حشر: ۷)

اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے میں ہی مکمل کامیابی ہے اور آپؐ کے احکام پر عمل کرنا اور منہیات سے رکنا شرعی تقاضا ہے۔ پھر یہ کہ اتباعِ رسول دراصل اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی علامت ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، کہہ دو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر تم روگردانی اختیار کرتے ہو تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ہے“۔ (سورۂ آل عمران: ۳۱-۳۲)

نبی اکرم ﷺ جو کچھ بیان کرتے ہیں اور اپنی امت کو جو ہدایت فرماتے ہیں، وہ سب اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے دیئے گئے احکام کی تشریح ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ’’ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے؛ تاکہ لوگوں کے سامنے اس کو کھول کھول کر بیان کرو جوان کی طرف نازل کیا گیا ہے‘‘۔ (سورۂ نحل: ۴۴)

احادیث میں بھی متعدد مقامات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اور صحابہ کے واسطے سے تمام امت کو سنت پر عمل کرنے اور اس کو لازم پکڑنے کی تلقین کی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’میری سنت کو لازم پکڑو‘‘۔ (سنن ابوداؤد حدیث: ۴۶۰۴) حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’بلاشبہ مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل دوسری چیز بھی‘‘۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷) اس حدیث میں دوسری چیز سے مراد سنت ہی ہے۔

قرآن اور حدیث کے مذکورہ نصوص و دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سنت نبویہ شریعتِ اسلامیہ کے مصادر و مآخذ میں ایک اہم مصدر اور حجت کی حیثیت رکھتی ہے، وہ قرآن کریم کے بعد دوسرے ماخذ کا مقام رکھتی ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض کی ہے اور ان پر تمام اوامر و نواہی اور احکام و تشریع میں آپؐ کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اور اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے اللہ کی اطاعت کی‘‘؛ لہٰذا جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس حیثیت سے کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اور مبلغ ہیں تو وہ فی الحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتِ نبویہ کو مضبوطی سے تھامنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور واضح طور پر فرمایا ہے کہ وہ تشریعی احکام میں سے ایک اہم دلیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے ڈرایا ہے کہ کوئی قرآن وسنت میں تفریق کرے، صرف قرآنی احکام پر اکتفاء کرے اور سنت پر عمل کرنا ترک کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’میں تم میں سے کسی کو اس حال میں ہرگز نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو، اس کے پاس میری کوئی حدیث پہنچے جس میں کسی چیز کا میں نے حکم دیا ہو یا کسی چیز سے روکا ہو تو وہ یہ کہے: ہم نہیں جانتے ہیں، ہم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے، اسی کی ہم اتباع کریں گے‘‘۔ (سنن ابوداؤد حدیث: ۴۶۰۵)

سنتِ نبویہ مطہرہ یا تو قرآنِ کریم میں وارد احکام کی تاکید کرتی ہے یا اس کے مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے یا اس کے عام کو خاص کرتی ہے، یا اس کے مطلق کو مقید کرتی ہے یا اس کے کسی حکم کو منسوخ کرتی ہے، یا

قرآنِ کریم میں غیر موجود کسی حکم کو بیان کرتی ہے۔یعنی آپ ﷺ کے ذریعے دیا گیا ہر حکم دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا حکم ہے اوراس پر عمل کرنا ضروری ہے۔جب آپ ﷺ اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے،اس موقعہ پر آپ ﷺ نے اپنی امت کو کامیابی وکامرانی کا ایک عظیم نسخہ عنایت فرمایا تھا،آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے درمیان دوایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں،کہ جب تک تم ان کو تھامے رہوگے،گمراہ نہیں ہوسکتے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میری سنت ہے۔اسی طرح آپؐ نے اپنے بعد اپنے صحابہ کی اتباع کی بھی تلقین فرمائی اور یہ فرمایا کہ'میرے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں،تم ان میں سے جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاجاؤگے'۔آپ ﷺ نے بطورِ خاص خلفائے راشدین کی اتباع کی بھی ہدایت فرمائی،کیوں کہ جہاں فضیلت اور مرتبہ میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ،عمر فاروقؓ،عثمان غنیؓ اور علی کرم اللہ وجہہ دیگر صحابہ اور مسلمانوں سے آگے ہیں،وہیں انھیں یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ انھوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کو دل وجان سے قبول کیا اور اپنی زندگی کو مکمل طور پر سنتِ نبوی کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔

لٰہذا ہر دور کے مسلمانوں کی کامیابی اور کامرانی اسی میں ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ اور آپ کے معزز صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے اور زندگی کے ہر موڑ اور ہر شعبے میں ان کے قول وعمل کو مضبوطی سے تھامے۔آج جو بظاہر ہر چہار جانب مسلمان خسارے میں ہیں اور انہیں ہر شعبۂ حیات میں ناکامیوں کا سامنا ہے،اجتماعی وانفرادی طور پر مصائب اور شکست وہزیمت ان کا مقدر بن چکی ہے،اس کی دیگر وجوہ کے ساتھ ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کی سیرت وسنت سے کوسوں دور ہوچکے ہیں،دنیا کی ظاہری چمک دمک اور مادیت پرستی ہمارے معاشرے اور گھروں میں سرایت کرچکی ہے اور ہم دین سے دور رہ کر دنیا کی آسائشیں حاصل کرنا چاہتے ہیں،اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر قدم پر ہمیں نقصان اور خسارے سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔جب کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو ہم خدا اور رسول اور قرآن وسنت کی دہائیاں دیتے ہیں،لیکن جب خوش حالی میں ہوتے ہیں تو دیگر اقوام کی طرح غفلت اور عیش پرستی کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں،حالاں کہ ہمارے نبی ﷺ کی سنت یہ ہے کہ اگر خوش حالی ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اگر مصیبت میں ہوں تو صبر کریں اور ہر موڑ پر صرف اللہ سے مدد ونصرت طلب کریں۔اعتدال اور توازن سنتِ نبوی ﷺ کا خاص وصف اور امتیاز ہے،جو ہماری زندگیوں سے ناپید ہے اور ہم عملی دنیا میں افراط وتفریط کے شکار ہیں،اس لئے اگر ہمیں واقعی پرسکون زندگی مطلوب ہے،تو ہر حال میں سنتوں کو زندہ کرنے کی جدوجہد کرنی ہوگی،اور سیرتِ نبوی ﷺ اور صحابہؓ کی مثالی زندگیوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

کرکٹ: اِسلامی نقطہ نظر سے

مولانا مرغوب الرحمٰن سہارنپوری گلی نمبر۲/آلی کی چنگی سہارنپور

اسلام ایک معتدل افراط وتفریط سے پاک وصاف مذہب ہے، نہ حدوں کو پار کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی بالکل روکھا سوکھا مذہب ہے جیسا کہ بعض معاندین تعصب کی وجہ سے کہتے ہیں کہ دین اسلام تو صرف مصلی وتسبیح کا ہوکر رہنے کو کہتا ہے جب کہ مذہب اسلام اعتدال کو پسند کرتا ہے، میانہ روی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ أَوْسَاطُهَا. (شعب الایمان ۱۶۹/۵) یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کھیل کود، سیر وتفریح کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفریحات کو اپنایا بھی ہے حق جل مجدہ قرآن شریف میں یوں فرماتا ہے: ﴿مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِي الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۷۸] (اللہ تعالیٰ شانہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی)

دوسری جگہ وہ ہم سے یوں گویا ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ. (البقرة: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ شانہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا

عید کے دن خوشی میں کچھ حبشی ڈھال اور نیزوں سے کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ٹھٹک گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خُذُوْا یَا بَنِيْ أَرْفِدَةَ حَتّٰی تَعْلَمَ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰیٰ أَنَّ فِيْ دِیْنِنَا فُسْحَةً. (جمع الجوامع ۱۲۱۸۱، فیض القدیر ۳۸۹۶)

اے حبشی بچو! کھیلتے رہو تاکہ یہود ونصاری کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔

اور بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں:

اُلْهُوْا وَالْعَبُوْا فَإِنِّيْ أَکْرَهُ أَنْ یُرٰیٰ فِيْ دِیْنِکُمْ غِلْظَةٌ. (فیض القدیر ۱۵۸۲)

کھیلتے کودتے رہو؛ کیونکہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں سختی نظر آئے۔

آپ سے بہت سے تفریحی کھیل ثابت ہیں مثلاً نشانہ بازی، گھوڑسواری، تیراکی، دوڑ، اچھے شعر سننا، سنانا وغیرہ اور آپ نے دیگر حضرات صحابہ کو ترغیب بھی فرمائی جیسے تیراندازی، دوڑ، تیراکی وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ بات یاد رہے وہ کھیل صرف ٹائم پاس کرنے کا ذریعہ نہ تھے بلکہ کچھ دینی و دنیوی فوائد و ثمرات ان میں پنہا ہوتے تھے، ان کھیلوں سے یادالٰہی سے غفلت، فرائض سے کوتاہی، حقوق العباد کی ادائیگی سے تساہلی، وقت کا ضیاع، معاشی فقدان اور تعلیمی بحران کا تو سوال ہی کہاں پیدا ہوتا تھا۔

حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا:

كُلُّ لَهْوٍ بَاطِلٌ إِذَا شَغَلَهُ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ. (صحيح البخاري / كتاب الاستيذان)

ہرلہو جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کردے تو وہ باطل (گناہ) ہے۔

مغربی دنیا نے پوری زندگی کو کھیل کود بنا ڈالا جب کہ مذہب اسلام نے طبیعت میں فرحت نشاط اور بشاشت پیدا کرنے کے لیے کھیلوں کو زندگی کا ایک جزء مانا ہے، لیکن آج کل بعض ایسے کھیلوں کو ہوا دے دی گئی جو بہت سے نقصانات کا مجموعہ ہوتے ہیں اور دائرہ عقل سے بھی خالی معلوم ہوتے ہیں، انہیں میں سے ایک کرکٹ ہے۔

انگریز ہندوستان آئے تو کرکٹ بھی ساتھ لائے؛ لیکن یہ کھیل اپنی جگہ نہ بنا سکا، ایک تو یہ کھیل مہنگا تھا، دوسرے لمبا وقت چاہتا تھا، ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اس کھیل کو بڑھاوا دیا، وہ دنیا بھر میں مصنوعات کا فروغ چاہتی تھیں؛ لہٰذا اُن کو کوئی ایسی مشتہر چیز چاہئے تھی جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ وقت تک اپنی طرف متوجہ کر کے رکھ سکے، کرکٹ میں وہ تمام باتیں موجود تھیں؛ کیونکہ یہ کئی کئی دن تک کھیلے جاتے ہیں؛ لہٰذا اس نے کرکٹ کو شہروں شہروں، گلیوں گلیوں اور گھروں گھروں تک پہنچانے کے لیے کرکٹ کے میدان بنوائے، لوگوں کی توجہ انعامی اسکیموں کے لالچ میں اس کھیل کی طرف مبذول کرائی، کرکٹ کے کھلاڑیوں کو ان کا ہیرو بنا کر پیش کیا، ان پر مال وزر کے دروازے کھول دیئے، ڈالروں میں ان کو نہلا دیا پھر کیا تھا کرکٹ کا جنون ان پر مسلط ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات پر ان کی کوریج کا بندوبست کر دیا، یوں دیکھتے دیکھتے ایک قلیل مدت میں کرکٹ عالمی کھیل بن گیا۔

کرکٹ کے مضر اثرات، ماحول و معاشرہ کو کس انداز سے بیکار کرتے ہیں اور ملک و وطن کے سرمایہ دارانہ نظام پر کتنا برا اثر ڈالتے ہیں، اس کی ایک سرسری رپورٹ پیش ہے۔

کرکٹ پر ۸۰/ارب ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں، ٹی وی چینلز پر سال بھر میں ۱۲/لاکھ گھنٹے یہ کھیل دکھایا جاتا ہے، اِس وقت دنیا کے ۱۷/کروڑ لوگ یہ کھیل کھیل رہے ہیں، دنیا میں کرکٹ انڈسٹری کی مالیت گندم کے بجٹ کے برابر ہے، ایک اندازے کے مطابق ایک ورلڈ کپ پر جتنی رقم خرچ کی جاتی ہے، اگر وہ مریضوں پر خرچ کی جائے تو دنیا کے تمام مریضوں کو ڈاکٹر، نرس اور دوائیں مفت مل سکتی ہیں، ایک ورلڈ کپ کے خرچ سے پوری دنیا میں اسکول کھولے جاسکتے ہیں، صحرائے عرب کو کاشتکاری کے قابل بنایا جاسکتا ہے، ۴/ورلڈ کپ کے دوران جتنی رقم مشروبات، برگروں اور ہوٹلوں پر خرچ کی جاتی ہے، اس رقم سے ۴۰/کینسر کے اسپتال بنائے جاسکتے ہیں، دنیا کے ایک تہائی بھوکوں کو خوراک دی جاسکتی ہے، پاکستان جیسے چار ملکوں کو قرضے سے پاک کیا جاسکتا ہے، ورلڈ کپ میں جتنی بجلی خرچ ہوتی ہے وہ دنیا کے سب سے زیادہ آبادی والے چین جیسے ملک کی چھ ماہ کی برقی ضرورت پوری کرسکتی ہے، ورلڈ کپ پر جتنا کچرا پیدا ہوتا ہے اتنا تیس ملک مل کر پورے سال پیدا نہیں کرتے، ورلڈ کپ کے موقع پر جتنی شراب پی جاتی ہے وہ پورا برطانیہ مل کر پورے سال نہیں پیتا، اس پر جتنا عام شہریوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اگر آدھی دنیا پورا مہینہ چھٹی کرے تو بھی اتنا ضائع نہیں ہوگا، یہ ہیں کرکٹ کے اخراجات اور اس کے مضر اثرات۔

آیئے! اب کرکٹ کے انفرادی، دنیوی اور دینی نقصانات کا ایک جائزہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا جائے۔

کومینٹری سننے میں بھی بہت سے نقصانات ہیں

(۱) میچ دیکھنے کی مستی میں بعض نماز ترک کردیتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ شانہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ فرما رہا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ. (البقرة: ۲۳۸) — نمازوں کی حفاظت کرو۔

دوسری طرف اللہ کا پیغمبر فرما رہا ہے:

مَنْ تَرَکَ الصَّلاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ. (الترغيب والترهيب بحواله طبراني في الأوسط) — جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کفر کے قریب جا پہنچا۔

گویا مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی نماز ہے، ادھر موذن صاحب حی علی الصلوٰۃ (آوَ

نماز کی طرف) حی علی الفلاح (آ ؤ کامیابی وکامرانی کی طرف) کہتے ہیں۔ادھر ہم کھیل میں مستغرق رہتے ہیں۔

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلاۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا. (المائدۃ آیت: ۵۸) اور جب تم نماز کی طرف پکارتے ہو تو وہ اُسے ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔

(۲) جماعت کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، ترک جماعت کے متعلق آ قائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھئے اور غور کیجئے: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی سے کہوں کہ لکڑیاں جمع کرے جب وہ اکٹھی ہو جائیں پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے، اچانک ان کے گھروں کو آگ لگادوں؛ تاکہ وہ بھی گھروں کے ساتھ جل جائیں''۔ (بخاری ومسلم)

(۳) لغو کام میں مشغول ہونا۔

(۴) وقت کی ناقدری ہوتی ہے کیونکہ یہ محض وقت گذاری ہوتی ہے، مذہب اسلام نے خاص طور سے وقت کو برباد اور ضائع کرنے کی پرزور مذمت کی ہے اور اس کو کارآمد بنانے واچھے کاموں میں خرچ کرنے کے لیے بڑے اچھے اور مؤثر اسلوب میں ترغیب دلائی ہے، حق جل مجدہ اپنی کتاب عظیم قرآن کریم میں وقت کی قسم کھا کر وقت کی قدر و قیمت کو ہمارے قلوب میں راسخ کرنا چاہتا ہے۔ (سورہ العصر:۱، الضحیٰ:۱-۲، اللیل:۱-۲- الشمس:۳-۴)

دوسری جگہ کامیاب مومن کی صفات شمار کراتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. (المؤمنون: ۳) اور یہ وہ لوگ ہیں جو فضول باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

حدیث پاک میں اسلام کی خوبی کو یوں اُجاگر کیا گیا ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ. (ابن ماجۃ، ترمذی، شعب الایمان، جمع الجوامع) آدمی کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی امور ترک کردے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے کہ آج اگر کوئی بھلائی کرسکتا ہے تو کرلے آج کے بعد میں پھر کبھی واپسی نہ آؤں گا۔ ’’مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّعْمَلَ خَيْرًا فَلْيَعْمَلْهُ، فَإِنِّي غَيْرُ مُكَرَّرٍ عَلَيْكُمْ أَبَدًا‘‘. (بحواله شعب الايمان)

(۵) یادالٰہی اور آخرت سے وہ شخص غافل ہوجاتا ہے، طاعت الٰہی سے غفلت اور یوم الحساب کو بھول بیٹھنے کی وجہ سے انسان اچھے کاموں کی طرف نہیں لپکتا اور برے کاموں سے پاؤں نہیں کھینچتا جس کو قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے:

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ. (الانعام: ۳۲)

اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانے کی اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لیے کیا تم نہیں سمجھتے۔

ہر وہ شئے جو اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کردے وہ جوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال زریں میں سے ذکر سے غافل شخص کے لیے ایک زریں قول مزید ملاحظہ فرمائیں: ’’اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلىٰ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَإِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ‘‘۔ شیطان انسان کے دل سے چپکا رہتا ہے جب وہ دل سے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔

(۶) بہت سے ضروری دینی و دنیوی کاموں کا نقصان ہوتا ہے۔

(۷) نتیجہ برآمد ہونے پر لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں کیونکہ ہر آدمی کی سوچ الگ الگ ہوتی ہے، کوئی کسی ٹیم کا حامی ہوتا ہے تو کوئی دوسری ٹیم کا فین ہوتا ہے قرآن کریم اس کی منظر کشی یوں کرتا ہے اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل اور کم ہمت ہوجاؤ گے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور رعب ودبدبہ جاتا رہے گا۔ ﴿وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال آیت: ۴۶)

(۸) پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں جو سراسر اسراف ہے، فضول خرچی اور اسراف کرنے والے کو قرآن کریم میں شیطان کے بھائی کے ساتھ ملقب کیا ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنَ. (بنی اسرائیل آیت: ۲۷)

بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں۔

دیگر جگہوں میں اللہ تعالیٰ شانہ نے مبذر سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الانعام آیت: ۱۴۱، الاعراف آیت: ۳۱)

ماہر معاشیات محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیجا مال اڑانے اور لٹانے سے احتراز کرنے کو فرمایا ہے: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ. (صحيح البخاري، صحيح مسلم، سنن النسائي، سنن أبي داؤد)

(۹) اگر کومنٹری سننے کا آلہ اپنا ہو تو مزید ایک گناہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ٹی، وی پر میچ دیکھنا بھی خطرات سے خالی نہیں بہت سی خرابیوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) قصداً تصاویر دیکھنا، یہ بات بھی ذہن نشین رہے، ٹی وی پر بہت سی تصویریں ہوتی ہیں ہر ایک تصویر دیکھنے کا الگ گناہ ہوتا ہے۔

(۲) نامحرم عورتوں کو دیکھنا، یہ بھی کرکٹ کی دین سے حاصل ہو جاتا ہے، معاشرہ کو برباد اور مفلوج کر دینے والی قبیح اور شنیع شئے زنا ہے اور یہ اس کا پیش خیمہ ہے قرآن واحادیث میں اس سے بچنے کے لیے بہتر اور احسن طریقے ونسخے تجویز ہیں، فرقان حمید میں حفظ ما تقدم کے طور پر فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ. (النور آیت: ۳۰)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔

اِسی طرح کی رہبری ورہنمائی مؤمن عورتوں کی ہے۔ دیکھیں سورۃ نور آیت: ۳۱۔ اسی سلسلہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال انتہائی فائدوں کے حامل ہیں:

لَتَغُضُّنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْ لَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوْهَكُمْ. (الترغيب والترهيب بحواله طبراني)

اپنی نظریں نیچی رکھو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ شانہ تمہارے چہروں کو بے نور کر دے گا۔

اور فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ عَلٰى أُمَّتِيْ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ. (بخاری، مسلم)

میں نے اپنے بعد اپنی امت کے مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا نقصان دہ کوئی اور فتنہ نہیں چھوڑا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مرسلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ إِلَيْهِ. (بیہقی فی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو قصداً (بلا کسی عذر شرعی کے ستر یا اجنبی عورت کو) دیکھنے والا ہو اور اس پر جس کو (بلا عذر شرعی) دیکھا جائے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ شیطان آدمی کو بہکانے سے کبھی مایوس نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ عورتوں کے ذریعہ اس کے پاس آتا ہے کہ میرے نزدیک عورتوں (کے فتنہ) سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے۔

(۳) جماعت کی نماز کا چھوڑ دینا اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بعض حضرات بالکل نماز پڑھتے ہی نہیں۔ (۴) قیمتی وقت کا ضائع کرنا۔ (۵) عبث کام میں لگنا۔ (۶) بہت سی ضروریات دینی و دنیوی کے چھوڑنے میں معاون ہوتا ہے۔ (۷) ٹی، وی سے محبت، لگاؤ اور انسیت پیدا ہوتی ہے۔ (۸) بہت سے گناہ وجود میں آتے ہیں۔ (۹) گناہ کی نحوست سے رزق کی برکت جاتی رہتی ہے۔ (۱۰) ٹی، وی سے دلچسپی رکھنے والا بھلائی کے کاموں سے محروم رہتا ہے۔ (۱۱) کھیل ختم ہونے پر ہار جانے والی ٹیم کے چاہنے والوں کا جھلا جانا اور جیتنے والی ٹیم کے چاہنے والوں کا خوشی میں جھومنا، لڑائی مول لینے کا سبب ہے۔ (۱۲) اللہ تعالیٰ شانہ اور آخرت کی یاد سے دور ہونا۔ (۱۳) اگر ٹی، وی اپنا ہو تو مزید ایک اور گناہ میں اضافہ ہوجاتا ہے جب کہ مفتیان عظام نے تحریر فرمایا ہے کہ غفلت میں ڈالنے والے سامان و آلات کا گھر میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے، جب کہ یہ تو اس کو خود بھی استعمال کررہا ہے اور جو دوسرے حضرات اس کے ٹی، وی سے مستفیض ہورہے ہیں ان کا گناہ بھی اپنے سر لیتا ہے۔ (۱۴) آتش بازی کی جاتی ہے۔

اسٹیڈیم میں بیٹھ کر نظارہ کرنا بھی بہت سی قباحتیں اپنے ساتھ لیے ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

(۱) نامحرم عورتوں کا نظارہ کرنا۔ (۲) مرد و زن کا اختلاط۔

محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لمحہ بھر کے لئے مرد و زن کے اختلاط کو گوارا نہیں فرماتے تھے اور یہاں اختلاط گھنٹوں کے حساب سے نہیں بلکہ دنوں کے حساب سے ہوتا ہے، حدیث شریف میں موجود ہے کہ "ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ مرد اور عورتیں

ایک ہی ساتھ راستہ میں چل رہی ہیں تو آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: پیچھے ہٹ جاؤ تم راستہ کے کناروں کو لازم پکڑ لو''۔

(۳) نماز باجماعت یا بالکل نماز ترک کر دینا۔ (۴) دنیا کی سب سے قیمتی شئے وقت کو برباد کرنا۔ (۵) لایعنی کام میں لگنا۔ (۶) دینی و دنیوی بہت سی ضروریات کو پس پشت ڈال دینا۔ (۷) اسراف کرنا۔ (۸) آخرت اور آخرت میں حساب لینے والے کی یاد سے بے بہرہ رہنا۔ (۹) فریقین کے محبین کا لڑنا جھگڑنا، ان تینوں قسموں سے جو طبی خسارہ اور گھاٹا ہوتا ہے وہ تو رہا فری فنڈ میں۔ عقلاً بھی یہ معیوب ہے کہ چند آدمی کھیلتے رہیں اور بہت سے لوگ ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتے رہیں، کھلاڑیوں کا مقصد اپنے ملک کا نام روشن کرنا، شہرت حاصل کرنا، پیسہ کمانا، واہ واہی لوٹنا اور اچھی کارکردگی پر انعام حاصل کرنا وغیرہ۔

ایک مرتبہ جرمنی وفرانس کے مابین کرکٹ میچ ہوا تو جرمنی کے سربراہ ہٹلر کو بھی میچ دیکھنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ ہٹلر میچ دیکھنے اسٹیڈیم پہنچا، میچ شروع ہوا اور چلتا رہا یہاں تک کہ شام ہوگئی، ہٹلر اکتا گیا اور چلا گیا ٹیم کے ریفری سے دریافت کیا میچ کون جیتا؟ ریفری نے کہا سر! میچ ابھی جاری ہے ہار جیت کا فیصلہ چار دن کے بعد آئے گا۔ ہٹلر غصہ میں جھلا گیا اور کہنے لگا یہ کوئی کھیل ہے!!! دیکھنے والے پورے دن کے لیے بیکار ہو جاتے ہیں اور نتیجہ پھر بھی ہاتھ نہیں آتا، اور چار چار دن کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بند کرو اس کھیل کو، ہٹلر نے کرکٹ پر پابندی عائد کر دی، جرمنی کا وہ دن اور آج کا دن جرمنی نے قومی ٹیم بنانے کی غلطی نہیں کی جب کہ اس وقت جرمنی کی ٹیم یوروپ کی نمبرون ٹیم تھی۔

سپر پاور امریکہ کا بھی یہی حال ہے کہ امریکہ کے صدر روزویلٹ نے کہا کہ کرکٹ لمبا اور سست کھیل ہے، اس سے وقت ضائع ہوتا ہے، دیکھنے والوں کو بری طرح متأثر کرتا ہے، اور لوگ اس کے ہو کر رہ جاتے ہیں، اگر امریکہ کو ترقی کرنی ہے تو ایسے کھیلوں سے دور رہنا ہوگا، اس کے بعد امریکہ میں پابندی لگا دی اور آج بھی کرکٹ امریکہ کا غیر سرکاری کھیل ہے۔

ایسے ہی بہت سے ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ممالک ہیں جن کی کوئی کرکٹ ٹیم نہیں۔

سماج کو نشے کی لعنت سے بچانے کی

بنیادی تدبیریں

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

سماج میں بڑھتے ہوئے منشیات کے رواج کو ختم کرنے اور سماج کو اس برائی سے بچانے کے لئے کیا تدبیریں ہوسکتی ہیں، ذیل میں چند ضروری امور کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ایمانی جذبات اور اللہ کا خوف بیدار کرنا

تمام برائیوں کے سد باب اور ہر نوع کی مجرمانہ عادتوں کو ختم کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایمانی جذبات بالکل بیدار کردیئے جائیں، اور اللہ کا خوف جگا دیا جائے، برائیوں سے نفرت پیدا کرنے کا سب سے کارگر نسخہ ایمانی جذبات کی بیداری اور اللہ کی بارگاہ میں جواب دہی کا مکمل استحضار ہے، قرآن میں صحابہ کے تذکرے میں آیا ہے:

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الإِیْمَانَ وَ زَیَّنَهُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ. (الحجرات: ۷)

اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب اور دل پسند بنادیا اور تم میں کفر، فسق اور نافرمانی کے کاموں کی نفرت پیدا کردی۔

اللہ کا خوف اور فکر آخرت وہ مضبوط زنجیر ہے جو انسان کو معاصی کے راستے پر چلنے سے بالکل روک دیتی ہے۔

(۲) مؤثر دینی واخلاقی تربیت

والدین کی طرف سے گھروں میں اور اساتذہ کی طرف سے تعلیم گاہوں میں ایسا ماحول فراہم کیا جانا ضروری ہے کہ اولاد خیر کی طرف راغب ہو، برائیوں سے نفرت کرنے والی بنے، منشیات کے مضر اثرات سے باخبر ہو، ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ نشہ سمیت تمام جرائم سے بالکلیہ نفرت کرنے والے بن جائیں، کردار سازی میں تعلیم وتربیت کا کردار سب سے بنیادی ہوتا ہے اور اس حوالے سے سب سے

بڑھ کر ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ صحیح طور پر اولاد کی رہنمائی کریں، ان کی نگرانی رکھیں، ان کو برے ماحول سے اور مخرب اخلاق امور وعناصر واسباب سے مکمل بچائیں۔

(۳) قرآنی ودینی تعلیم

نصوص، تجربات اور مشاہدات سب سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو افراد قرآنی اور دینی تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں، اور اسے اپنا مشغلہ بنالیتے ہیں وہ بالعموم جرائم سے محفوظ رہتے ہیں، اور بطور خاص نشے بازی اور اس جیسے گناہوں سے تو بالکل الگ رہتے ہیں، صاحب ایمان سماج میں ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے اور اپنے تمام متعلقین کے لئے قرآن کی اور بنیادی دینی تعلیم کو ضروری سمجھے، زندگی کا سفر اس کے بغیر صحیح سمت میں جاری نہیں رہ سکتا اور منشیات سمیت دیگر جرائم سے تحفظ کے لئے بھی یہ بنیادی ضرورت ہے۔

(۴) بے کاری اور بے روزگاری کے خاتمے کی کوشش

مثبت، صالح، اور مفید مشاغل میں مشغولیت انسان کو گناہوں کے راستے سے روکتی ہے، انسان بالکل خالی ہو اور کوئی صالح مشغلہ نہ رکھتا ہو تو بسا اوقات نفس وشیطان کے مکائد اور وساوس اسے منشیات اور دیگر جرائم کی راہ پر لے جاتے ہیں، اس لئے حتی الامکان صالح مشاغل میں مشغول رہنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

اسی طرح بے روزگاری اور پھر اس کی وجہ سے آنے والے افلاس کی صورت حال انسان سے وہ سب کچھ کرا سکتی ہے جو نہیں کرنا چاہئے، مایوسی اور اضطراب کی کیفیات انسان کو منشیات کا عادی بھی بنا دیتی ہیں، اس لئے سماج سے بے روزگاری کے خاتمے کی مہم میں سب کا حصہ ہونا چاہئے، کسی بے روزگار کو روزگار فراہم کرنا یا اس ضمن میں تعاون کر دینا اسوۂ نبوی ہے اور اعلیٰ درجہ کا عمل خیر ہے، اور گناہوں سے بچانے کا بابرکت کام بھی ہے، دنیا میں رائج الوقت معاشی نظام تجربات کے بعد ناکام ثابت ہو چکے ہیں، معاشی ناہمواریوں اور غربت و بے روزگاری کا خاتمہ اگر کسی نظام کے ذریعہ ہو سکتا ہے تو وہ اسلام کا برکت اور عدل ومواسات پر مبنی معاشی نظام ہے، سماج کے ذمہ داران کو اس حوالے سے بھی حتی المقدور اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۵) بری صحبت سے گریز اور اچھی صحبت کا التزام

انسان کو خیر وطاعت کے راستے پر اچھی صحبت ہی گامزن رکھتی ہے، نیک افراد کی صحبت میں انسان کے دل ونگاہ سب ہوشیار رہتے ہیں، غفلت حملہ آور نہیں ہوتی، قرآن میں تمام اہل ایمان کو سچے اور نیک

بندوں کے ساتھ رہنے کا صریح حکم بھی دیا گیا ہے، اور یہ اشارہ بھی فرمایا دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر گناہوں سے بچنا اور تقوی کی منزل تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے، اسلاف کے مواعظ میں بھی صراحت ہے کہ:

مُجَالَسَةُ أَهْلِ الصَّلاحِ تُوْرِثُ فِيْ الْقَلْبِ الصَّلاحَ. (الاخوة:جاسم المهلهل: ۳۸) نیک افراد کی ہم نشینی دل میں نیکی کے جذبات پیدا کردیتی ہے۔

منشیات سمیت تمام برائیوں سے دور رہنے کا یہ کارگر نسخہ ہے کہ برے لوگوں کی ہم نشینی سے بالکل اجتناب کیا جائے اور اچھے، دیندار اور نیک افراد کے ساتھ رفاقت رکھی جائے۔

بروں کے ساتھ ہم نشینی رکھنے والا اگر برائی میں خود مبتلا نہ ہو لیکن اپنے رفیقوں کی برائی پر خاموش تماشائی رہے تو وہ بھی مجرم قرار پاتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس کچھ ایسے لوگوں کو لایا گیا جن پر شراب نوشی کا الزام تھا، انہوں نے حکم دیا کہ ان کو سزا دی جائے، کسی نے عرض کیا کہ ان میں بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے خود تو شراب کو ہاتھ نہیں لگایا لیکن مجلس میں موجود تھے، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ پھر تو سزا کا آغاز ان ہی سے ہونا چاہئے اس لئے کہ انہوں نے قرآن کے اس حکم کو نظر انداز کردیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ تم قرآن کے انکار واستہزاء کی مجلس میں مت شریک ہو ورنہ تم انہیں کی صف میں شمار ہوگے۔ (النساء:۱۴۰)

(۶) شراب نوشی کی سزا کی تنفیذ

جرم پر بندش لگانے کا ایک مؤثر اور مجرب طریقہ متعین شرعی سزا کی تنفیذ ہے، اسلام ایک طرف شراب نوشی کے دینی و دنیوی نقصانات بیان کرتا ہے، اور عنداللہ اس کی شناعت اور اخروی سزاؤں کو واضح کرکے دلوں میں شراب سے دوری اور نفرت کے جذبات مضبوط کرتا ہے، دوسری طرف مے نوشی کے مکمل انسداد کے لئے شریعت نے اس پر ۸۰؍ کوڑوں کی حد بھی متعین کی ہے، دنیا کے جن قوانین میں بھی شراب نوشی کو جرم بتایا گیا اور اس پر پابندی لگائی گئی اور اس پر بے پناہ دولت خرچ کی گئی، اس کا الٹا اثر ہوا، بالآخر امریکہ میں ہار مان کر دوبارہ مے نوشی کو قانونی اجازت دی گئی، ہندوستان میں بھی قانونی طور پر شراب کے ممنوع ہونے کے باوجود حکومت کی سرپرستی میں شراب کا کاروبار ناسور کی طرح معاشرے میں رائج ہے، جس سے آنے والی تباہی عیاں ہے، شراب کے کاروبار کو تجارتی واقتصادی نقطۂ نظر سے بے حد مفید قرار دے کر اس کے حق میں گنجائش کا پہلو خوب بیان ہوتا ہے مگر اس کے تباہ کن مضر اور زہریلے اثرات ونتائج پر

نظر ہوتو چند معمولی اور حقیر فائدے ان خطرناک نقصانات کے سامنے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے، اسلام نے اسی لئے اس پر حد متعین کی ہے، اور موجودہ دور میں اس کی سزا کی تنفیذ شراب نوشی پر روک لگاسکتی ہے، اس کا اعتراف انصاف پسند غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

(۷) ٹھوس اور منصوبہ بند مسلسل منشیات مخالف اصلاحی مہم

سماج سے منشیات کی لعنت ختم کرنے کے لئے سماج کے مصلحین کی طرف سے مسلسل منصوبہ بند مہم چلائی جائے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ سماجی اصلاح کا علم اٹھانے والے افراد اور تحریکات کی طرف سے منشیات سے پاک سماج کی تشکیل دینے کی سمت میں کوئی ٹھوس اور مؤثر اقدام نہیں ہورہا ہے، نہی عن المنکر اس امت کے امتیازات میں سے ہے، اور اس فرض کی ادائیگی کے بغیر اس لعنت پر قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔

ائمہ مساجد، خطباء، مصلحین، واعظین، مبلغین، داعیان دین، تعلیمی اداروں کے ذمہ داران، معلمین واساتذہ، والدین، سرپرست حضرات، سماجی ورفاہی وملی تنظیموں، جماعتوں، ذرائع ابلاغ سے وابستہ حضرات، ڈاکٹر اور طبی امور سے وابستہ افراد کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ سماج سے اس لعنت کے خاتمہ کے لئے اپنی اپنی سطح پر اور اپنے اپنے دائرہ میں مکمل کوشش کریں، میڈیا کے وسائل کو نشہ مخالف ذہن سازی کے لئے استعمال کیا جائے، نشہ فروشی پر پابندی لگائی جائے، اور اس کاروبار سے جڑے ہوئے لوگوں کو سمجھانے اور آخری حد تک روکنے کی سعی کی جائے، حکومتی سطح تک مؤثر انداز میں بات پہنچائی جائے، اور حکومتی ذمہ داران کو اس حوالے سے متوجہ ہونے اور نوٹس لینے پر آمادہ کیا جائے، مخیّر حضرات انسداد منشیات کیمپس لگانے اور نشہ کے عادی افراد کا علاج کرانے کی سمت میں کوشش کریں۔

غرضیکہ بنیادی ضرورت ہے کہ ایک ہمہ گیر تحریک کے انداز میں اس پر کام کیا جائے، سماج کے تمام طبقات تک یہ پیغام پہونچایا جائے، نشہ کے نقصانات سے ہر سطح پر لوگوں کو باخبر کیا جائے، ان تمام اسباب وعوامل پر بند لگانے کی کوشش کی جائے جو منشیات کے فروغ میں معاون ہوسکتے ہوں، اگر ایک طرف شراب سے منع کیا جائے گا اور دوسری طرف شراب کی دوکانیں بھی پرمٹ کے ساتھ کھلی رہیں گی تو اس تضاد کا نتیجہ سماج کے بگاڑ کی بھیانک شکل کے سوا اور کیا ہوگا؟ جب تک ہر سطح پر منشیات کے خلاف تحریک نہیں چلائی جائے گی، اور ہوٹل، دوکان، تقریب، پروگرام ہر جگہ سے شراب کلچر بالکل ختم نہیں کیا جائے گا، اس لعنت کا خاتمہ نہیں کیا جاسکے گا۔

مزاح و مذاق: اُسوۂ رسول اور ہمارا عمل

مولانا مفتی تنظیم عالم قاسمی استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

''مزاح'' میم کے زیر کے ساتھ مستعمل ہے، اس کے معنی دل لگی کرنا، خوش مزاجی کی باتیں کرنا، ہنسی مذاق کرنے کے آتے ہیں، ہنسی مذاق میں کبھی انسان حد سے آگے بڑھ جاتا ہے جس سے سامنے والے کی دل شکنی ہوتی ہے اور تکلیف پہنچتی ہے، اس مذاق کو عربی میں ''سخریہ'' کہا جاتا ہے، اسلام میں اس طرح کا مذاق جائز نہیں ہے، ارشاد باری ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ. (الحجرات: ۱۱)

اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

عام طور پر کسی کی کم عقلی، عیب اور نقص پر ہنسا جاتا ہے، ہنسنے والے اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتے ہیں گویا ہنسی اور مذاق کا مطلب اس کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہے، قرآن نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ کسی کی تحقیر نہ کیا کرو، ممکن ہے کہ تم جس کی حقارت کر رہے ہو اور جس کو اپنے سے کمتر اور ادنیٰ سمجھتے ہو، حقیقت میں اللہ کے نزدیک اس کا مقام تم سے بڑا ہو اور تمہاری اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہ ہو، اصل مقام و مرتبہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون افضل اور کون گھٹیا ہے، کس کا درجہ بلند ہے اور کس کا پست، لہٰذا کسی کو دیکھ کر ہنسنا چاہئے اور نہ ہی مذاق اور ٹھٹھا کرنا چاہئے ایسا شخص اللہ کی نظر میں ظالم اور سخت گناہ کا مرتکب ہوگا۔

ہاں ایسی دل لگی اور مذاق جس میں دل شکنی اور ایذاء رسانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور نہ اس کی نیت ہو تو شریعت میں محض دل بستگی اور تفریح طبع کے طور پر اس کی اجازت ہے (مرقاۃ المفاتیح ۱۷۱/۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مختلف مواقع پر آپ نے خوش طبعی اور مزاح و مذاق کا معاملہ فرمایا ہے، خشک مزاجی آپ کو پسند نہیں تھی، آپ نہیں چاہتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مزاج وطبیعت کو ہمیشہ خشک اور بے لذّت بنائے رکھیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے جاں

نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ گاؤں کا ایک آدمی جس کا نام زاہر تھا وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گاؤں کی چیزیں ہدیہ دیا کرتا تھا تو آنحضور ﷺ بھی اس کو جاتے وقت شہری سامان دے دیتے تھے، آنحضرت ﷺ اس کے بارے میں فرماتے کہ زاہر ہمارا گاؤں ہے (کہ وہ گاؤں میں پیدا ہونے والے ساگ سبزی، ککڑی، پھل، پھول وغیرہ لاکر دیتا ہے) اور ہم اس کے شہر ہیں (کہ ہم اس کو شہری چیزیں دیتے ہیں) نبیٔ اکرم ﷺ زاہر سے بہت محبت و تعلق رکھتے تھے، ویسے وہ اچھی شکل وصورت کے نہیں تھے، ایک دن رسول اکرم ﷺ بازار تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ اپنا سودا سلف بیچ رہا ہے، آپ نے پیچھے سے اس کی اس طرح کولی بھرلی کہ وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا یعنی آپ اس کی بے خبری میں اس کے پیچھے بیٹھ گئے اور اپنے مبارک ہاتھ اس کی دونوں بغلوں کے نیچے سے نکال کر اس کی آنکھیں چھپالیں تاکہ وہ پہچان نہ سکے، زاہر نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو یہ کون شخص ہے، پھر اس نے کوشش کر کے کن انکھیوں سے دیکھا اور نبی اکرم ﷺ کو پہچان گیا، پھر تو وہ اپنی پیٹھ کو نبیٔ کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے چمٹانے کی پوری کوشش کرنے لگا تاکہ زیادہ سے زیادہ برکت حاصل کرلے، ادھر آپ ﷺ نے یہ آواز لگانی شروع کی کہ کون شخص ہے جو اس غلام کو خرید لے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم آپ مجھ کو ناکارہ یعنی بالکل سستا اور بے کار مال پائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیکن تم خدا کے نزدیک ناکارہ نہیں ہو۔ (مشکوۃ شریف ۴۱۶)

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے، وہ کوئی خوبصورت یا جاذب نظر نہیں تھے البتہ رسول اکرم ﷺ سے انہیں کافی محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ گاؤں دیہات میں اگنے والے ساز و سامان رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ دیا کرتے تھے، ہدایا کا سلسلہ طرفین سے ہو تو زیادہ بہتر ہے، اس سے محبت میں پائیداری ہوتی ہے، چنانچہ آپ بھی ان کو بدلے کے طور پر شہر کے سامان ہدیے کے طور پر دیتے تھے، شہر میں سامان بیچتے ہوئے حضرت زاہر کی آنکھوں کا بند کرنا مزاح کے قبیل سے تھا، جہاں اس میں انبساط اور دل بستگی ہے وہیں اس میں آپ کا حضرت زاہر سے غایت درجہ کے تعلق کا اظہار بھی ہے تاکہ وہ یہ ہرگز نہ سوچے کہ میرا وطن دیہات میں ہونے یا میری بدصورتی کے سبب حضور ﷺ کا میری طرف کوئی خاص التفات نہیں، ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف چھوٹی معمولی حیثیت کے کسی

آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت ومزاح کا برتاؤ ہو تو اس کے لئے ایسی مسرت اور عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کی جا سکتی، حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کو آپ کے اس مزاح سے جو خوشی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، آپ ﷺ نے بعد میں اس کو غلام سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا کوئی اس غلام کا خریدار ہے؟ درحقیقت وہ کسی آدمی کا غلام نہیں تھا، اس لئے یہ جملہ بھی آپ ﷺ نے ازراہِ مزاح فرمایا اور یہ جھوٹ بھی نہیں؛ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا غلام تو تھا ہی۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے خدا سے دعا کیجئے کہ مجھے جنت میں داخل کردے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی، یہ سن کر وہ عورت روتی ہوئی واپس جانے لگی، تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے کہا کہ اسے بتا دو کہ وہ جنت میں تو جائے گی مگر بوڑھی ہو کر نہیں بلکہ جوان ہو کر جائے گی؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِنَّا اَنْشَأْنٰهُنَّ اِنْشَاءً. فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾ (ہم جنت کی عورتوں کو پیدا کریں گے جیسا کہ پیدا کیا جاتا ہے پس ہم ان کو کنواری بنا دیں گے) رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے ازراہِ مزاح فرمایا تھا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور یہ حقیقت بھی تھی کیوں کہ مذکورہ ارشاد خداوندی کے مطابق جنت میں داخل ہونے والی عورتوں کو اللہ تعالیٰ جوان بنا کر داخل کریں گے مگر وہ بوڑھی خاتون یہ مطلب سمجھ نہیں سکی اس لئے رونے لگیں، پھر آپ ﷺ نے فوراً اس کو بلوایا اور اس کے ذہن کو صاف کیا کہ تم جنت میں جاؤ گی مگر جوان ہو کر جاؤ گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے سواری کا ایک جانور مانگا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری سواری کے لیے اونٹنی کا ایک بچہ دوں گا، اس شخص نے حیرت کے ساتھ کہا کہ: یا رسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اونٹ کو تو اونٹنی ہی جنتی ہے۔ (ترمذی) اس سے مقصد رسول اللہ ﷺ کا محض ظرافت اور خوش طبعی تھی مگر اس شخص نے سمجھا کہ اونٹنی کے بچے سے مراد وہ چھوٹا بچہ ہے جو سواری کے قابل نہیں ہوتا لیکن آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سواری کے قابل جو اونٹ ہوتا ہے وہ بچہ تو اونٹنی کا ہی ہوتا ہے، اس لئے آپ نے بطور مزاح اور دل لگی کے مذکورہ ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے اس کی حیرت پر جو جواب دیا اس کے ذریعہ نہ صرف حقیقتِ مفہوم کو ادا کیا؛ بلکہ اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اگر تم تھوڑی سی عقل سے کام لیتے اور میری بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تو اس حیرت میں نہ پڑتے، اور حقیقی مفہوم

کوخود سمجھ لیتے؛ لہٰذا اِس ارشاد میں صرف ظرافت ہی نہیں؛ بلکہ اس امر کی طرف متوجہ کرنا بھی مقصود ہے کہ سننے والے کو چاہئے کہ وہ اس بات میں غور و تامل کرے جو اس سے کہی گئی ہے اور بغیر سوچے سمجھے سوال و جواب نہ کرے؛ بلکہ پہلے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور غور و فکر کے بعد آگے بڑھے۔ (مظاہر حق جدید ۵/۴۸۶)

صاحبِ مشکوٰۃ نے باب المزاح کا الگ سے عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت مذکورہ احادیث اور روایت کے علاوہ دوسری احادیث بھی نقل کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی صحابہ کرام سے خوش طبعی کی ایسی باتیں فرماتے جن سے فطری طور پر سننے والوں کو انبساط اور خوشی کا احساس ہوتا، آپ ﷺ کا مقصد مخاطب کی دل بستگی، دلداری، خوش وقتی اور آپس میں محبت و الفت کے جذبات کو مستحکم کرنا ہوتا تھا، اس لئے حضرات فقہاء و محدثین نے ایسے ہنسی مذاق جو دوسروں کی اذیت کا باعث نہ ہو سنت اور مستحب قرار دیا ہے، لیکن یاد رہے کہ اعتدال ہر چیز میں پسند ہے، مزاح کا یہ مطلب نہیں کہ شب و روز اسی کو اپنا مشغلہ بنالیا جائے بلکہ کبھی کبھار اگر ایسا کرلیا جائے ظرافت و خوش طبعی کے طور پر تو مطلوب و محمود ہے اور ایسا مزاح و ظرافت جائز نہیں جس میں حد سے تجاوز کیا جائے اور اس کو عادت بنالیا جائے کیوں کہ ہر وقت مزاح و ظرافت میں مبتلا رہنا اور اس میں حد سے تجاوز کرنا بہت سی خرابیوں کا باعث ہوتا ہے جیسے اس سے بہت زیادہ ہنسی اور قہقہہ آتا ہے اور قہقہہ اور بہت زیادہ ہنسی سے شریعت میں روکا گیا ہے، اسی طرح یہ قلب و ذہن کو قساوت اور بے حسی میں مبتلا کردیتا ہے، ذکر الٰہی سے غافل کردیتا ہے، دین میں غور و فکر اور پیش قدمی سے روکتا ہے اور اکثر اوقات اس کا انجام ایذا رسانی اور آپسی بغض و عناد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص ہر وقت ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے اس کی شخصیت بری طرح متأثر اور مجروح ہوجاتی ہے، ہزار علم سہی، مگر اس کا کوئی دبدبہ لوگوں پر باقی نہیں رہتا اور نہ اس کی عظمت اور وقار باقی رہتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے ایک حدیث میں کثرتِ مزاح سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”لَا تُمَارِ أخاک ولَا تُمازِحْهُ“ ”اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ ان سے مزاح و مذاق کرو“۔ (ترمذی شریف)

یہاں اگرچہ مطلق مزاح کی ممانعت ہے مگر اس سے مراد ہر طرح کا مزاح و مذاق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ نے خود صحابہ کرام کے ساتھ مزاح کا معاملہ فرمایا ہے جیسا کہ اوپر کی روایات سے معلوم ہوا اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس چیز سے منع کیا جائے اور جس سے امت کو روکا جائے خود آپ ﷺ اس کو انجام دیں۔ امام نوویؒ شارحِ مسلم نے دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ کثرتِ مزاح جو قساوتِ قلب کا

باعث ہوجائے یا اللہ تعالیٰ کے ذکروفکر سے روک دے یا ایذاء مسلم کا سبب بن جائے یا وقار وہیبت گرادے وہ ممانعت میں داخل ہے اور جوان سب سے خالی ہو محض دوسرے کی دلداری اوراس کے انبساط کا سبب ہو وہ مستحب ہے اور یہی رسولِ اکرم ﷺ کا عمل ہے۔(شمائل ترمذی مترجم:۲۲۱)

یہ واقعہ ہے کہ بہت زیادہ ہنسی مذاق کرنے سے نتیجتاً آپسی تعلقات رنجش اور تلخی میں تبدیل ہوجاتے ہیں، مذاق کرنے والے کا رعب ودبدبہ ختم ہوجاتا ہے، اس لئے مزاح کرتے ہوئے جہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس میں کسی کی ایذاء رسانی اور تحقیر شامل نہ ہو وہیں یہ بھی خاص خیال رکھا جائے کہ حدِاعتدال سے نہ نکلنے پائے، کسی چیز کا بھی اعتدال جب ختم ہوجاتا ہے تو اس کا حسن جاتا رہتا ہے، البتہ یہ بہتر بات ہے کہ گاہے بگاہے مزاح اور ظرافت کا معاملہ کرلیا جائے، مزاج کو خشک رکھنے کے بجائے اس کو ملنسار، نفع بخش اور لذت آمیز رکھنا چاہئے خاص طور پر یہ ان لوگوں کے لیے ضروری ہوجاتا ہے جن کو اللہ نے رعب ودبدبہ عطا کیا ہو، جو قوم کا رہبر اور سرپرست ہو جیسے اساتذہ، بادشاہ اور مشائخ وغیرہ، اگر یہ لوگ اپنے چہرے کو تُرش بنائے رکھیں، کبھی تبسم اور مسکراہٹ بھی چہرے پر نہ ہو اور نہ ہی ظرافت یا خوش طبعی کا کوئی عمل ہو تو عوام ان سے استفادہ نہیں کرسکیں گے، رعب ودبدبہ کی بنیاد پر کوئی بات کہنے کی طاقت نہیں رکھے گا، اس طرح افادہ اور استفادہ کی راہ مسدود ہوجائے گی، شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خوش طبعی اور مزاح وظرافت کا پہلو اختیار کیا ہے، ورنہ آپ کا ذاتی وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مہینے کے سفر کی دوری تک آپ ﷺ کا رعب پہنچتا تھا، صحابہ جو رات دن مجلسِ نبوی میں رہتے ان کو بھی ہمت نہ ہوتی کی سر اٹھا کر مکمل نگاہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ڈال سکیں، اس لئے اگر حضور اکرم ﷺ تبسم اور مزاح کا اہتمام نہ فرماتے تو حاضرین کو رعب کی وجہ سے پاس رہنا مشکل ہوجاتا اور انتفاع کے اسباب مسدود ہوجاتے، اس میں بڑی عبرت اور سبق ہے ان لوگوں کے لیے جو ہمیشہ ترش مزاج بنے رہتے ہیں، جن کو مسکراتے ہوئے یا ظرافت اور بے تکلفی سے بات کرتے ہوئے بڑی شرم آتی ہے اور وہ ان چیزوں کو اپنی بلندی اور شان ومرتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں۔قربان جائیے رسول اکرم ﷺ پر جنہوں نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ امت کو ایک ایک چیز کی تعلیم دی، ادب اور معاشرت کا ایسا طرز سکھایا کہ جس سے بہتر کوئی انداز نہیں ہوسکتا۔

یہاں اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ مذاق میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے آج کل یہ رواج چل چکا ہے کہ کسی سے کوئی جھوٹی اور نازیبا گفتگو کرنے کے بعد بہت آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ میں نے مذاق کیا ،یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ہے، حدِاعتدال کے ساتھ مزاح ومذاق بلاشبہ درست ہے مگر وہاں بھی حقانیت کو

ترک نہ کیا جائے، حق اور سچی بات کہہ کر جو بھی بات میں مذاق پیدا کر سکے، کیا جا سکتا ہے کوئی حرج نہیں ہے جب کہ کسی کی ایذاء رسانی نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی ہم سے مزاح فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں صرف حق بات ہی کی حد تک مزاح کرتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

صحابۂ کرامؓ کو معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے مذاق سے منع فرما رکھا ہے اور یہ کہ مذاق میں عام طور پر غلط سلط باتیں بھی ہوتی ہیں، اس لئے تعجب سے سوال کیا کہ آپ مزاح بھی فرماتے ہیں آپؐ نے جواب دیا کہ صرف اسی حد تک کہ جہاں تک کہ حق بات ہو، میں غلط بات نہیں کہتا، کسی کا تمسخر نہیں کرتا، حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتا اور اس طرح کا مزاح نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات ضروری ہو جاتا ہے ورنہ استحباب کا درجہ تو ہے ہی۔

آج کا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ لوگ مزاح و مذاق کے نام پر ایک دوسرے کا تمسخر اور مذاق اڑانے لگتے ہیں بلکہ طعنہ زنی اور عیب جوئی کی نوبت آجاتی ہے، یہ تمام صورتیں قرآن کی صراحت کے مطابق حرام ہیں، خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو یا عمل سے، جیسے کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لیے اس کی آواز، انداز گفتگو یا کوئی عیب نقل کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں یا اسی طرح کوئی لنگڑا ہے، اس کی حقارت کے لیے کوئی لنگڑاتا ہوا چل کر دکھائے کوئی ایک آنکھ سے محروم ہے اور وہ ایک آنکھ سے دیکھتا ہے تو دوسرا بھی اسی طرح نقالی کر کے بتائے۔ یقیناً اس سے اس شخص کو بہت سخت تکلیف پہنچے گی اور اپنے عمل یا قول سے کسی کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اسی لئے قرآن میں سورۂ حجرات آیت: ۱۱ر میں علیحدہ علیحدہ مرد و عورت کو اس سے روکا گیا ہے، اس سے اس کی غیر معمولی اہمیت اور شدت کا اندازہ ہوتا ہے، اگر کسی شخص کے بدن یا صورت یا قد و قامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آئے تو کسی کو اس پر ہنسنے یا استہزاء کرنے کی جرأت نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق و اخلاص وغیرہ کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر اور افضل ہو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزا کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ (تفسیر قرطبی ۱۶/۲۱۳)

انسان اپنے علم، دولت اور شخصیت پر تکبر نہ کرے کہ یہ چیزیں فانی ہیں، اپنے سے کمتر حیثیت کے افراد کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور بندوں کے ساتھ اخلاص و محبت سے پیش آنا چاہئے اس سے ان میں احترام کا جذبہ پیدا ہوگا اور تعلقات مزید مستحکم ہوں گے، بلا شبہ خوش گوئی اور خوش کلامی آپس میں میل ملاپ پیدا کرتی ہے اور بد گوئی و بد کلامی پھوٹ پیدا کرتی ہے جو شیطانوں کا کام ہے، اگر آپ آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی عزت و مقام چاہتے ہیں تو زبان پر قابو رکھیے اور اپنے اخلاق کو بہتر بنائیے۔ ❍ ❖ ❍

اِسلام میں انسانی حقوق

قرآن وحدیث کے تناظر میں

مولانا ظفر دارک قاسمی سکریٹری اقراء اینڈ ویلفیئر سوسائٹی انڈیا

موجودہ زمانہ میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق محفوظ نہیں ہیں ان کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے نیز انھیں حکومتی مناصب سے دور رکھا جاتا ہے۔ اوران کی استعداد و صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا ہے۔

اس ضمن میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے، قرآن و سنت اس کا دستوری اساس ہے، جن لوگوں کا قرآن وسنت پر ایمان نہ ہو اور جو اس دین کو نہ مانتے ہوں، جو قرآن وسنت میں پیش کیا گیا ہے، یقیناً وہ افراد اسلامی ریاست کا نظم ونسق کیسے چلا سکتے ہیں۔

زندگی کا حق

زندہ رہنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو زندگی کا تحفظ فراہم کرے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم جب تک ریاست میں امن وامان اور احترام نفس کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا یقیناً اس وقت تک اس ریاست کو ایک فلاحی اور مثالی حکومت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن نے اصول بیان کیا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا.

(المائدة: ۳۲)

جس شخص نے کسی ایک انسان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو، یا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔

اس آیت میں انسانی زندگی کی اہمیت اور اس کی عظمت کو بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلام کا یہ

اصول ہے کہ ایک آدمی کا قتل پوری انسانیت کے قتل اور ایک فرد کی زندگی کا تحفظ پوری انسانیت کی تحفظ کے مترادف ہے۔ بھلا بتاؤ کہ اسلامی ریاست میں کس حد تک غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ آیت میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کے خون سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ناحق قتل کیا جائے تو شریعت اسلامیہ نے مقتول کے اولیا کو چارہ جوئی کا حق دیا اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ قاتل کو سزا دے۔ اسلامی ریاست کے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا مودودی نے آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا اس بات پر منحصر ہے کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسان کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو جو شخص کسی ناحق کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے دور ہمدردی قوم کے جذبہ سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری قوم کا خاتمہ ہو جائے اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے درحقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔ (مودودی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ۱/۴۶۵ مطبع مرکزی جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی سن اشاعت ۱۹۷۰)

پتہ یہ چلا کہ اسلامی ریاست جن اصولوں پر مبنی ہے ان میں قتل انسانیت کو گناہ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے بقا کو پوری انسانیت کا بقا بتایا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ. (الانعام: ۱۵۱) — کسی جان کو حق (قصاص یا فساد کی سزا) کے بغیر قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اِس آیت میں بھی زندگی کے حق کو محفوظ رکھا گیا ہے؛ البتہ قتل اس صورت میں جائز ہے کہ کسی کو قصاص یا فساد فی الارض کے تحت قتل کیا جائے اس کے لئے بھی اسلامی ریاست نے اصول متعین کئے ہیں۔ ان کو برقرار رکھتے ہوئے احترام انسانیت کے تقدس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل نفس

کوشرک کے بعدسب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے: ”أکبر الکبائر إلا شرک باللّٰہ وقتل النفس“.

(صحیح البخاری، کتاب الأدب / باب عقوق الوالدین من الکبائر)

اِس حدیث میں بھی مطلق نفس کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے کوئی خاص قوم یا نوع انسانی مراد نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم تمام انسانوں کے متعلق ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُم مِّنْ إمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ. (الانعام:۱۵۱)

اور مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو نہ مارو ہم تم کو رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی۔

ایک جگہ اور ارشاد فرمایا:

وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا. (بنی اسرائیل:۳۱)

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے مت مار ڈالو ہم ہی ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کو مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے۔

ان آیات کے ذیل میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کسی فرد کو پیدائش کے بعد ہی نہیں بلکہ رحم مادر میں پلنے والے جنین کو بھی زندہ رہنے کا حق دیتا ہے۔ چنانچہ وہ استقرار حمل کے بعد اسقاط کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ فقہاء اسلام نے بھی ایسا کرنے کو جرم قرار دیا ہے۔ (اصلاحی، مولانا سلطان احمد، اسلام کا نظریہ جنس ۲۹۶-۳۰۰، مطبع ادارہ علم وادب علی گڑھ ۱۹۹۴ء)

نیز احادیث میں اس فعل کو قبیح بتایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ اجْتَمَعَ أَهْلُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ عَلٰى قَتْلِ امْرَءٍ لَعَذَّبَهُمُ اللّٰهُ. (تفسیر جواهر القرآن ۲۴۹/۲ شاملة)

اگر آسمان اور زمین کے تمام لوگ مل کر کسی ایک شخص کو قتل کردیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب دے گا۔

اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کئے بغیر ارشاد فرمایا:

لزوال الدنیا أهون علی اللّٰه من قتل رجل مسلم. (سنن الترمذي، أبواب الدیات / باب ما جاء في تشدید قتل المؤمن)

پوری دنیا کا فنا ہوجانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکا ہے۔

ایک اور حدیث میں مروی ہے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (صحيح البخاري، كتاب الجزيه / باب إثم من قتل معاهدًا بغير جرم)

جس شخص نے کسی ایسے غیر مسلم کو جس سے معاہدہ ہو قتل کردیا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا۔

اِن احادیث سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے کسی بھی فرد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی اس گناہ میں ملوث ہوتا ہے تو اسلامی ریاست نے اسے بدلہ لینے کا حق بھی دیا ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً فَلاَ يُسْرِف فِيْ الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا. (بنی اسرائیل: ۳۳)

اور جس جان کو اللہ نے قتل سے منع فرمایا ہے اسے مت مارو مگر جائز طور پر اور جو کوئی ناحق مارا جائے تو ہم نے اس کے وارثوں کو حق دیا ہے (کہ قتل کا بدلہ طلب کریں) لیکن قتل کرنے (قصاص لینے) میں حد سے تجاوز نہ کریں بے شک اس کو (اللہ اور اس کے نیک بندوں کی) مدد حاصل ہے۔

یہ ہے اسلامی ریاست کا دستور اساس جو اس نے تمام شہریوں کو مساویانہ طور پر عطا کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں قصاص کا جو مقصد ہے وہ یقیناً اسلامی ریاست کے مذکورہ اصول سے بالکل مختلف ہے۔

اسلامی ریاست میں کوئی شہری ناحق قتل کیا جائے تو اس کے ورثاء کو یہ حق ہے کہ وہ اس کا قصاص لیں۔ اس ضمن میں سربراہ مملکت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ فریقین کے مابین فیصلہ کرے۔ بلا کسی امتیاز کے اگر قاتل مسلمان ہے تو اسے بھی مقتول کے ورثاء کے حوالے کردیا جائے۔ اب وہ اسے قتل کریں یا معاف کردیں اور خون بہا لینے پر راضی ہوجائیں؛ خلفاء راشدین نے اس معاملے میں کس قدر عدل و مساوات کا مظاہرہ کیا۔ اگر کوئی شخص کسی پر حملہ آور ہوتا ہے تو اسلامی ریاست اسے اس بات کی اجازت دیتی ہے وہ اس سے اپنا بچاؤ کرے۔

قرآن میں مذکور ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (البقرة: ۱۹۰)

اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔(ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو۔بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

ان شواہد ودلائل کی روشنی میں یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ اسلامی ریاست میں تحفظ نفس کا خیال رکھا گیا ہے۔جو کسی بھی حکومت میں دیکھنے کو بھی نہیں ملتا ہے۔اور اسلامی ریاست کے تمام شہری زندہ رہنے کے حق سے سرفراز ہونگے کسی کے معاملہ میں امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

حرمت جان اور احترام نفس کے دوسرے جزئیہ پر بھی غور کرتے چلئے۔اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں ہے شدید بھوک اور پیاس کی وجہ سے جان جانے کا خطرہ ہے تو اس سلسلے میں اسلامی ریاست نے جو اصول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی بچانے کے لیے ایسے اقدامات کرنا جو قابل گرفت ہوں ان میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس سلسلہ میں ماخذ میں ایک روایت بیان کی گئی ہے:

أن رجلاً تدلى بحبل ليسار عسلاً فاتت امرأته فقالت له لاقطعن الحبل أو لنطلقني فناشدها الله تعالىٰ فأبت فطلقها فلما ظهر أتى محمد بن الخطاب فذكر ذٰلك له فقال له عمر: ارجع إلى امراتك فإن هٰذا ليس بطلاق. (ابن قدامه، المغني على مختصر الحزقي ۱۱۹/۷ القاهرة)

ایک شخص رسی باندھ کر (کنویں میں) لٹکا۔تاکہ شہد اتارے۔اس حالت میں اس کی بیوی آئی اور اس نے کہا کہ یا تو تو مجھے طلاق دے دے یا میں رسی کاٹ دیتی ہوں۔حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کے پاس لوٹ جاؤ کیونکہ یہ طلاق نہیں ہوئی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جان بچانے کے لیے انسان ناجائز اقدام کرگزرے تو اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایک روایت بیان کی ہے کہ حاطب ابن بلتعہ کے غلاموں نے مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرالی تھی تو حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ نہیں کاٹا کیونکہ انھوں نے شدید بھوک سے مجبور ہوکر

یہ اونٹنی چرائی تھی۔اس طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے زمانے میں چوروں کو قطع ید کی سزا نہیں دی۔ (مصنف عبدالرزاق، ابوبکر، ہمام بن نافع صغانی (۱۲۶، ۲۱۱ھ) المصنف ۱۰/۱۹۳، حدیث نمبر ۱۸۷۹۳ مطبع بیروت المکتب الاسعدی ۱۴۰۳ھ)

پتہ یہ چلا کہ اسلامی ریاست کے ہر شہری کی جان محترم ہے کسی بھی صورت میں اسے ضائع کرنا درست نہیں ہے۔ یہ اسلام کی فراخ دلانہ تعلیمات ہیں جو انسانی احترام کو اور حرمت نفس کا ہر درجہ لحاظ رکھتی ہیں۔

عزت واحترام کا حق

اسلامی ریاست کا ہر شہری محترم ہے خواہ وہ سماج کے کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو کسی کو حق نہیں کہ اس کا استہزا کرے۔ اسے حقیر جانے اس کی تذلیل اہانت کرے یا اس کی غیبت کرے قرآن میں ارشاد ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِنْ قَوْمٍ عَسٰى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِن نِّسَاءٍ عَسٰى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الإِيْمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ. يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضًا. (الحجرات: ۱۱-۱۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو برا گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

قرآن نے یہ اصول بیان کیا ہے کیونکہ دنیا کا ہر شخص عزت نفس کا خواستگار ہوتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب ومسلک سے وابستہ ہو اس لیے اسلامی ریاست کے ہر شہری کی عزت نفس کا احترام کیا جائے۔ کیونکہ شخصی عزت وقار کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے قرآن حکیم نے کسی پر جھوٹے الزام اور بہتان تراشی کو بھی گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (النور: ٤)

اور جولوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ان کو اسّی درے لگاؤ۔اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔

ایک جگہ اور ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْناً. (الاحزاب: ۵۸)

اور جولوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بلا ان کے کچھ کیے ایذا پہنچائیں تو وہ جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

ایذا میں ہر طرح کی ایذا شامل ہے چاہے وہ ہاتھ کے ذریعہ ہو یا زبان کے ذریعہ۔

ماخذ میں مذکور ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَحَدٍ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ. (صحيح البخاري، كتاب المظالم / باب من كانت له مظلمة)

جس شخص نے کسی کی بے عزتی کی ہو یا اس پر کچھ ظلم کیا ہو۔تو وہ آج ہی اس سے معاف کرالے۔اس دن سے پہلے جب روپیہ پیسہ نہ ہوگا کہ اس کے کچھ کام آئے۔

ضمناً یہ کہنا درست ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ معاشرہ کی بنیادی خصوصیت باہم اکرام واحترام کو فروغ دینا ہے۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر فرد معاشرہ کو عزت نفس کا حق عطا کیا ہے۔ماخذ میں بیان کرتے ہیں:

اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ. (سنن أبي داؤد / كتاب الأدب)

لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق سلوک کیا کرو۔

جب بنوقریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نکلنا منظور کیا

اور حضرت سعد وہاں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قُوْمُوْا اِلیٰ سَیِّدِکُمْ. (صحیح البخاری / کتاب الاستئذان) اپنے سردار کے استقبال کے لے کھڑے ہو جاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معاملات زندگی میں بھی ایک دوسرے کی عزت نفس کے حق کا احترام کرنے کی تعلیم دی تاکہ باہم میل جول میں بھی ایسا طرز عمل ہرگز نہ اختیار کیا جائے جس سے کسی کی عزت نفس کا حق مجروح ہوتا ہو۔ ماخذ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانُوْا ثَلَاثًا فَلَا یَتَنَاجیٰ إِثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ. (صحیح البخاری، کتاب الاستئذان / باب لا یتناجی اثنان دون الثالث) جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی (آپس میں) سرگوشی نہ کریں۔

مذکورہ اصولوں کی روشنی میں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلامی ریاست میں رنگ نسل، عقیدہ، مال و دولت سماجی مرتبہ اور سیاسی رتبہ سے قطع نظر ہر شخص کو عزت و احترام حاصل ہے؛ لہٰذا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی عزت اور وقار کی حفاظت کرے اور کوئی ایسا قانون لاگو نہ ہونے دے جس سے کسی بھی شہری کا عزت اور وقار مجروح ہو۔ اسی لیے فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس میں بھی مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا غیر مسلم کو گالی یا غیبت کے ذریعہ تکلیف پہنچانا ممنوع ہے۔ اگر کوئی مسلمان اسے گالی وغیرہ کے ذریعہ تکلیف پہنچائے گا تو وہ مستوجب سزا ہوگا۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۱/ ۶۷۸ مطبع کویت ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء)

حتی کہ ماخذ میں لکھا ہے:

ویجب کف الاذیٰ عنه وتحرم غیبة کالمسلم. (رد المختار علی الدر المختار، کتاب الجهاد / باب المستامن) اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسے مسلم کی غیبت حرام ہے۔

کتاب المسائل:

مفتی محمد سلمان منصور پوری

کفارۂ ظہار کے مسائل

ظہار کا کفارہ

جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کرلے اُس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، اَب چوں کہ غلاموں کا وجود نہیں ہے، اِس لئے یا تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اور اگر روزے رکھنے کی قدرت نہ ہو، مثلاً شدید بیمار یا معذور ہوجائے، تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَآءِ هِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا﴾ [المجادلة، جزء آیت: ٣]

هي تحرير رقبة الخ، فإن لم يجد ما يعتق صام شهرين الخ، متتابعين قبل المسيس الخ. فإن عجز عن الصوم أطعم ستين مسكينًا. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ١٣٤/٥ -١٤٢ زكريا، تبيين الحقائق ٢٠٦/٣ بيروت)

ظہار کا کفارہ دینے سے پہلے ہم بستری کرلی

اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرلی، تو اس کی وجہ سے دوسرا کفارہ واجب نہ ہوگا؛ البتہ چوں کہ اُس نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، اِس لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے، اور کفارہ ادا کئے بغیر آئندہ بیوی کے پاس ہرگز نہ جائے، اور بیوی کو بھی چاہئے کہ جب تک شوہر ظہار کا کفارہ نہ دے اسے اپنے پاس نہ آنے دے۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ۵۴۰/۱ کراچی)

فإن وطء قبله تاب واستغفر وكفر للظهار فقط (الدر المختار) …… عن رسول اللّٰه ا أن رجلاً ظاهر من امرأته فوقع عليها قبل أن يكفر، فبلغ ذٰلك النبي ا فأمره أن يستغفر اللّٰه تعالىٰ، ولا يعود حتى يكفر، ولا يعود لوطئها ثانيًا قبل الكفارة الخ. وعليها أن تمنعه من الاستمتاع حتى يكفر. (الدر المختار مع الشامي ١٢٨/٥ زكريا)

کفارۂ ظہار کے روزوں کے درمیان بیوی سے ہم بستری کرلی

روزوں کے ذریعہ ظہار کا کفارہ ادا کرنے کے دوران اگر بیوی سے ہم بستری کرلی، خواہ دن میں

روزہ کی حالت میں ہو یا رات میں، اِسی طرح جان بوجھ کر کی ہو یا بھولے سے، بہرصورت ازسرنو دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں گے، اور ماقبل کے سب روزے غیر معتبر ہوجائیں گے۔

أو وطئها فيهما أي الشهرين مطلقًا ليلاً أو نهارًا عامدًا أو ناسيًا استؤنف الصوم (الدر المختار) فعند جماع المظاهر منها إنما ينقطع التتابع إن أفسد الصوم. (الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الكفارة ١٤١/٥ زكريا)

ولو جامعها في خلال الصوم جماعًا يفسد الصوم، يستقبل الصوم، ولو جامعها ليلاً أو نهارًا ناسيًا لصومه استقبل في قول أبي حنيفة ومحمد، وقال أبو يوسف: يمضي فيه، وفي شرح الطحاوي: ولو جامعها بالنهار عامدًا استأنف بالاتفاق، ولو أنه جامع امرأته التي لم يظاهر منها نهارًا عامدًا فإنه يستقبل الصوم بالاتفاق. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / مسائل المحلل وغيرها ١٧٥/٥ زكريا)

جس بیوی سے ظہار کیا ہے اس کے علاوہ دوسری بیوی سے ہم بستری کرلی

اگر کسی شخص کے دو بیویاں ہوں، پھر ایک سے ظہار کر کے روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کر رہا ہو، اور درمیان میں دوسری بیوی جس سے ظہار نہیں کیا تھا، جماع کرلیا، تو اگر دن میں جان بوجھ کر ہم بستری کی ہو تو بالاتفاق ازسرنو دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے؛ اِس لئے کہ روزہ کا تسلسل باقی نہیں رہا؛ البتہ رات میں اُس سے ہم بستری کی ہو تو اس صورت میں ازسرنو روزے رکھنا ضروری نہیں؛ کیوں کہ روزہ کا تسلسل برقرار ہے (اور یہی حکم دن میں ناسیاً کھانے پینے یا جماع کرنے میں بھی ہے)

أما لو وطي غيرها وطأ غير مفطر لم يضر اتفاقًا (الدر المختار) كأن وطئها ليلاً مطلقًا أو نهارًا ناسيًا، كذا في الهندية. أما إن وطئها نهارًا عامدًا بطل صومه. (الدر المختار مع الشامي ١٤١/٥ زكريا)

کفارۂ ظہار کے روزوں کے درمیان رمضان یا ایامِ تشریق آجائیں تو اعادہ لازم ہے

اگر کوئی شخص روزوں کے ذریعہ ظہار کا کفارہ ادا کر رہا ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے

مہینوں میں روزے شروع کرے کہ مسلسل دو مہینوں کے درمیان رمضان، عید الفطر یا ایام تشریق نہ آئیں، اگر دو مہینے پورے ہونے سے پہلے مذکورہ دنوں میں سے کوئی ایک دن بھی آ گیا، تو اُس پر ازسرِ نو دو مہینے کے روزے رکھنا لازم ہوگا؛ کیوں کہ روزہ کا تسلسل باقی نہیں رہا۔

فإن لم يجد ما يعتق صام شهرين متتابعين قبل المسيس ليس فيها رمضان وأيام نهي عن صومها (تنوير الأبصار) لأنه في حق المقيم لا يسع غير فرض الوقت ...... والمراد بالأيام المنهية يوم العيد وأيام التشريق؛ لأن الصوم بسبب النهي فيها ناقص فلا يتأدى الكامل. (تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الطلاق / باب الكفارة ١٤٠/٥ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٥١٢/١)

وفي شرح الطحاوي: ولو جاء يوم النحر أو أيام التشريق أو يوم الفطر فإنه يستقبل أيضًا، وإن صام هٰذه الأيام ولم يفطر. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٨٠/٥ زكريا)

کفارۂ ظہار میں ۶۰ رمسکینوں کو صدقہ فطر کے بقدر غلہ دینا

اگر کوئی شخص کفارۂ ظہار میں ۶۰ رمسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلانے کے بجائے ہر ایک کو ایک صدقہ فطر کے بقدر غلہ گیہوں، کھجور، کشمش دیدے، تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

فإن عجز عن الصوم أطعم أي ملك ستين مسكينًا كالفطرة (الدر المختار) أي ملك، الإطعام لا يختص بالتمليك؛ لكن المراد به هنا التمليك، وبما يعده الإباحة، ولذا قال في البدائع: إذا أراد التمليك أطعم كالفطرة ...... أي نصف صاع من بر أو صاعًا من تمر أو شعير ودقيق كل كأصله. (الدر المختار مع الشامي ١٤٣/٥ زكريا)

فإذا أراد أن يطعم طعام التمليك يُعطي لكل مسكين نصف صاع من بر أو صاعًا من تمرٍ أو شعيرٍ. وفي شرح الطحاوي: أو نصف صاع من زبيب في قول أبي حنيفة، وفي قولهما: صاعًا من زبيبٍ، كما في صدقة الفطر. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / مسائل المحلل وغيرها ١٨٠/٥–١٨١ زكريا)

صبح ایک مسکین کو اور شام دوسرے مسکین کو کھانا کھلانا

اگر کوئی شخص کھانا کھلا کر ظہار کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے تو صبح جن ۶۰ رمسکینوں کو کھانا کھلایا ہے، شام

کو بھی انہیں ہی کھلانا ضروری ہے، اگر شام کو دوسرے ۶۰؍ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔

ولو غدى إنسانًا وعشى آخر لم يجز. وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله: إذا غدى ستين، وعشى آخرين لا يجوز. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۵/۱۸۲ زكريا)

۱۲۰؍ مسکینوں کو ایک وقت کھانا کھلا دیا

اگر کوئی شخص کفارۂ ظہار میں صبح وشام ۶۰-۶۰؍ مسکینوں کو کھانا نہ کھلا کر ایک ہی وقت ۱۲۰؍ مسکینوں کو کھلا دے، تو صرف ۶۰؍ مسکینوں کا ایک وقت کا کھانا قرار دیا جائے گا، اور کفارہ کی تکمیل کے لئے انہی ۱۲۰؍ مسکینوں میں سے ۶۰؍ مسکینوں کو ایک وقت اور کھانا کھلانا ہوگا، اس کے بغیر کفارہ کامل نہ ہوگا۔

أطعم مائة وعشرين لم يجز إلا عن نصف الإطعام، فيعيد علىٰ ستين منهم غداء أو عشاءً، ولو في يوم آخر للزوم العدد مع المقدار. (الدر المختار، كتاب الطلاق / باب الكفارة ۵/۱٤۸ زكريا)

ولو أطعم مائةً وعشرين مسكينًا في يوم واحد أكلة واحدة مشبعة لم يجزه إلا عن نصف الإطعام، فإن أعاد الإطعام علىٰ ستين مسكينًا منهم أجزاه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۵/۱۸۲ زكريا)

ایک وقت کھلا کر دوسرے وقت کی قیمت دینا

اگر کوئی شخص کفارۂ ظہار میں ایک وقت ۶۰؍ مسکینوں کو کھانا کھلا کر دوسرے وقت کے کھانے کی قیمت دیدے، تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

وإذا غداهم وأعطاهم قيمة العشاء أو عشاهم وأعطاهم قيمة الغداء يجوز.

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / مسائل المحلل وغيرها ۵/۱۸۳ زكريا)

وإن أراد الإباحة فغداهم وعشاهم أو غداهم وأعطاهم قيمة العشاء أو عكسه.

(الدرالمختار مع الشامي ۵/۱٤٤ زكريا)

ایک ہی مسکین کو ۶۰؍ مسکینوں کا کھانا دینا

اگر کسی شخص نے ۶۰؍ مسکینوں کو صبح وشام کھانا نہ کھلا کر صرف ایک ہی مسکین کو ۶۰؍ مسکینوں کا پورا

خصوصی کھانا یا اُس پوری کی قیمت یک مشت دیدی تو یہ صرف ایک وقت کے کھانے کی طرف سے ادائیگی سمجھی جائے گی، ہاں اگر روزانہ ایک مسکین کے بقدر کھانا، غلہ یا پیسے وغیرہ اسے دیتا رہے تو اس سے بلاشبہ کفارۂ ظہار ادا ہو جائے گا۔

ولو أباحه كل الطعام في يوم واحدٍ دفعة أجزأ عن يومه ذٰلک فقط اتفاقًا، وكذا إذا ملكه الطعام بدفعات في يوم واحدٍ على الأصح، ذكره الزيلعي لفقد التعدد حقيقة وحكمًا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الظهار / باب الكفارة ١٤٥/٥ زكريا)

وإذا أعطىٰ مسكينًا واحدًا طعام ستين مسكينًا في يوم واحد بدفعة واحدة لا يجوز، ولو صرف إليه طعام ستين مسكينًا في ستين يومًا جاز عندنا. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق / مسائل المحلل وغيرها ١٨٣/٥ زكريا)

ظہار کے کفارہ میں کھانا کس کو کھلائیں؟

کفارۂ ظہار کا کھانا اپنے اصول: باپ، دادا، پردادا، ماں، نانی اور فروع: بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، نواسا، نواسی کو، اسی طرح زوجین کا ایک دوسرے کو کھلانا جائز نہیں، نیز سادات کو بھی کھلانا درست نہیں، اِس کے علاوہ رشتہ دار اگر غریب ہوں یا محلّہ میں گاؤں بستی میں غریب ومسکین لوگ ہوں، ان کو کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔

فلا يجوز إطعام أصله وفرعه وأحد الزوجين ومملوكه والهاشمي، ويجوز إطعام الذمي والحربي ولو مستأمنًا. (شامي، كتاب الظهار / باب الكفارة ١٤٤/٥ زكريا)

۶۰ر مسکینوں کو ایک دن صبح وشام کھلانا یا ایک مسکین کو ۶۰ر دن کھلانا

کفارۂ ظہار میں ۶۰ر مسکینوں کو ایک ایک کرکے ۶۰ر دنوں تک کھانا کھلانا ضروری نہیں؛ بلکہ اگر ۶۰ر مسکینوں کو ایک ساتھ صبح وشام کھانا کھلادے یا ایک وقت کھلاکر دوسرے وقت کی قیمت دیدے تب بھی جائز ہے، اور اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ر دن صبح وشام یا ۱۲۰ر دن ایک وقت کھلائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

وإن أراد الإباحة فغداهم وعشاهم أو غداهم وأعطاهم قيمة العشاء أو عكسه

أو أطعمهم غدائين أو عشاء ين أو عشاء وسحورًا وأشبعهم جاز. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الظهار / باب الكفارة ١٤٤/٥ زكريا)

وعن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة إذا غدى واحداً مائة وعشرين يوماً أجزأه. (شامي، كتاب الظهار / باب الكفارة ١٤٥/٥ زكريا)

کفارۂ ظہار میں کھانا کھلانے کا وکیل بنانا

کفارۂ ظہار جس طرح ساٹھ مسکینوں کو ازخود کھانا کھلانے سے ساقط ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی دوسرے کو وکیل بنادے اور وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے تو اس سے بھی کفارہ ادا ہوجائے گا۔

أمر غيره أن يطعم عنه عن ظهاره ففعل ذٰلك الغير صح. (الدر المختار) قيد الأمر؛ لأنه لو أطعم عنه بلا أمر لم يجز بالإطعام. (الدر المختار مع الشامي ١٤٥/٥ زكريا)

کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے صحبت کرلی

اگر کھانا کھلاکر کفارۂ ظہار ادا کررہا تھا کہ درمیان میں بیوی سے صحبت کرلی، تو اب ازسرِنو ۶۰ مسکینوں کھلانا ضروری نہیں؛ بلکہ اسی سلسلہ کو پورا کرکے ساٹھ کو کھلادے؛ البتہ توبہ واستغفار اس پر بہرحال لازم ہے۔ (مسائل بہشتی زیور ۱/۵۴۱ کراچی)

قال الحسن: إن أطعم بعض المساكين ثم وقع على امرأته فلا يهدم ولكن ليطعم ما بقي. (المنصف لعبد الرزاق ٤٢٧/٦ رقم: ١١٥٠٨)

استؤنف الصوم لا الإطعام إن وطئها في خلاله لإطلاق النص في الإطعام وتقييده في تحرير وصيام. (الدر المختار ١٤٢/٥ زكريا)

ولو جامعها في خلال الإطعام لم يلزمه الاستقبال. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧٤/٥ زكريا) ❑

ندائے شاہی ماہنامہ مرادآباد
ایک عظیم اصلاحی تحریک کا نام ہے
صرف ایک ممبر بناکر آپ بھی اس تحریک میں شامل ہوجائیے۔

یہ سفر قبول کرلے

(رب کعبہ کے دربار میں، زائرین حرم کی فریاد)

مولانا عطاء الرحمٰن عؔطا مفتاحی، جامعہ حبیبیہ، پورینی، بھاگلپور

مری زندگی کے مالک! یہ سفر قبول کرلے
مرا کارواں چلا ہے ترے گھر قبول کرلے

تو مری جبیں کے سجدوں سے ہے بے نیاز لیکن
ترا آستاں سلامت، مرا سر قبول کرلے

میں ترے حضور لایا ہوں ندامتوں کے آنسو
تجھے رحمتوں کا صدقہ؛ یہ گُہر قبول کرلے

ہے ترے نبی ﷺ کا فرماں تجھے معذرت ہے پیاری
جو جھکی ہوئی ہے یا رب، وہ نظر قبول کرلے

مرے پاس جیسا دل تھا وہی لیکے آگیا ہوں
تو یہ دل قبول کرلے، یہ جگر قبول کرلے

میں یہ جانتا ہوں سِکّے ہیں مرے تمام کھوٹے
یہ کرم مزید ہوگا، تو اگر قبول کرلے

مرے پاس میرے عیبوں کے سوا تو کچھ نہیں ہے
بھلا کس زباں سے کہہ دوں کہ ہنر قبول کرلے

ترے پاس ہے خدائی؛ مرے پاس ہے گدائی
مجھے مانگنا نہ آیا تو مگر قبول کرلے

اے مرے کریم آقا ترا فضل مانگنے کو
یہ عؔطا جہاں سے آیا وہ نگر قبول کرلے

جامعہ کے شب وروز

نئے تعلیمی سال کا آغاز: الحمدللہ تعطیل کلاں کی تکمیل کے بعد ۱۱؍شوال المکرّم سے جامعہ کے تمام شعبے کھل چکے ہیں، شروع ہی سے بڑی تعداد میں طلبہ نے داخلہ کے لئے جامعہ کی طرف رجوع کیا، اور تعداد کی زیادتی کی وجہ سے سبھی درجات میں تقریری اور تحریری تقابلی امتحانات لئے گئے، اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلبہ کے داخلہ کی منظوری دی گئی۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب اور صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اساتذۂ کرام کے بھرپور تعاون سے داخلہ کے مقررہ نظام کی مسلسل نگرانی فرماتے رہے۔ اور شعبۂ تعلیمات پوری مستعدی کے ساتھ مفوضہ ذمہ داریاں انجام دیتا رہا۔ داخلوں کی تکمیل کے بعد جلد ہی تعلیم کا آغاز ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

وفیات: ماہِ رواں درج ذیل حضرات کے انتقال کی خبریں بھی موصول ہوئیں، جامعہ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، قارئین سے بھی ایصال ثواب کی اپیل ہے: قاضی منسوب صاحب جلال آباد نجیب آباد، محمد سعید صاحب والد محمد اختر صاحب گونڈہ، مشیر احمد ماموں مولوی عبدالرؤف گونڈہ، حافظ ناظر حسین صاحب، منشی فقیر محمد صاحب۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب قاسمی سیتاپوریؒ کا سانحۂ ارتحال

دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کے مفتی واُستاذِ حدیث، مقبول عام داعی اور خطیب حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب قاسمی سیتاپوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ کی شب میں اچانک انتقال فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کی نماز جنازہ ظہر کی نماز میں جامع مسجد میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری صاحب زیدمجدہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مفتی صاحب موصوف نہایت وضع دار، بااخلاق، ملنسار اور ہردل عزیز شخصیت کے مالک تھے، فقہ وفتاویٰ اور حدیث شریف سے اچھی مناسبت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے خطابت کا بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً اصلاحِ معاشرہ اور تاریخ اسلام کے موضوع پر آپ کے بیانات نہایت پراثر اور دلنشیں ہوتے تھے۔ ملک کے طول وعرض میں آپ کے اصلاحی اسفار کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا تھا۔ آپ محکمۂ شرعیہ ضلع مرادآباد کے رکن رکین تھے، اور پوری دلچسپی سے اس کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ سالوں سے مرادآباد کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر ترجمہ قرآن بھی فرمایا کرتے تھے، جس میں لوگ ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور فکر قاسمی کے امین تھے، ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اُس کے بعد مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعدازاں مدرسہ حیات العلوم مرادآباد سے وابستہ رہے، اور ۱۹۸۴ء سے تادم آخر مسلسل ۳۲؍سال دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد میں تدریس وافتاء کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کا اصلاحی تعلق محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ سے تھا، بعد میں آپ کے جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب زیدمجدہم کی طرف رجوع کیا، اور موصوف ہی نے آپ کو اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔ موصوف کے اخلاف میں ۵؍صاحبزادے اور ۲؍صاحبزادیاں ہیں، جن میں سے ایک صاحبزادے مولوی محمد غازی سلمہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کے درجات بلند فرمائیں، آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور وارثین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔ (مرتب) □□□